جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ **کا** علمی، دینی، دعوتی فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ معارف قاسم جدید دہلی

بیادگار: حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند

جلد نمبر:۱۴ | اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۵ء | شمارہ نمبر:۲۹

زیر سرپرستی

- حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، دیوبند
- حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، لکھنؤ
- حضرت مولانا مفتی عباس بسم اللہ، گجرات
- حضرت مولانا محمد ابراہیم مظاہری، گجرات

زیر نگرانی

- حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی، لکھنؤ
- حضرت مولانا محمد عیسیٰ منصوری، لندن
- حضرت مولانا نسیم احمد مظاہری، میرٹھ
- حضرت مولانا مفتی عبداللہ پٹیل، گجرات

مدیر اعلیٰ: مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی — **مدیر:** ڈڈکٹر شہا ڈڈلدین ولللد شہا

مجلس ادارت

مفتی احمد نادر القاسمی، مولانا شاہد ناصری الحنفی، مولانا حمید الدین مظاہری، مفتی عقیل انور مظاہری، مفتی محمد انصار قاسمی

Circulation Incharge
Shahid Abdullah (Mob: +91-9873629832)

کمپوز و ڈیزائن: محمد ارشد عالم ندوی

سالانہ تعاون

300 روپے
بیرون ممالک کے لیے 150 ڈالر
خلیجی ممالک کے لئے 500 درہم

رابطہ

Muzaffar Husain Rahmani
K-79, 2nd Floor, Street No.5
Abul Fazal Enclave-I
Jamia Nagar, New Delhi-110025
Mob: +91-8750505501

Address for
Cheques-&-Drafts
Monthly Maarif-e- Qasim
Jadeed Delhi

پرنٹر پبلیشر، چیف ایڈیٹر محفوظ الرحمٰن عثمانی نے ایم آر پرنٹرس 2818، گلی گڑھیا دریا گنج نئی دہلی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''معارف قاسم جدید'' کے۔۷۹، دوسری منزل، اسٹریٹ نمبر ۵، ابوالفضل انکلیو پارٹ نمبر ۱، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔

Ph.: +91-11-26981876,Fax: 26982907, Mob: +91-9811125434
E-mail: jamiatulqasim@yahoo.com/ www.jamiatulqasim.com

Jamiatul Qasim Darul Uloom-il- Islamia
At & P.O. Madhubani, G.P.O. Partap Ganj
Distt. Supaul-852125 Bihar (India)
Jamia Ph.: +91-9771807585, 9931906068, 9931515312

حسن ترتیب

شمار	مضامین	اسماء گرامی	صفحہ
۱	آغاز سخن (جن کی خوشبو سے معطر تھا چمن)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	3
۲	اداریہ	ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی	7
۳	سوانحی خاکہ امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ	مرتب: محمد عارف اقبال	9
۴	حضرت امیر شریعت مولانا سید نظام الدینؒ - حیات وخدمات	محمد عارف اقبال	11
۵	ایک چراغ اور بجھا- مولانا سید نظام الدین صاحب	مولانا عبدالمتین منیری	16
۶	مفکر، مدبر اور عظیم قائد مولانا سید نظام الدین کی رحلت.....	نوراللہ جاوید	19
۷	حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ........	محمد وقار الدین لطیفی ندوی	24
۸	لانا پڑا تمھیں کو تمھاری مثال میں	خورشید عالم داؤد قاسمی	33
۹	بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا	شمس تبریز قاسمی	37
۱۰	قرآن حکیم خدا کی معرفت کا اصل ذریعہ	مولانا امین احسن اصلاحی	39
۱۱	مطالعہ سیرت کا صحیح اور بنیادی نقطہ نظر	نعیم صدیقی	43
۱۲	خوف خدا: غصہ پر قابو پانے کا موثر ذریعہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	47
۱۳	غیر مسلم مصنفین کی اسلامی وادبی خدمات	ڈاکٹر کمال اشرف قاسمی	51
۱۴	تحریک دیوبند کے تناظر میں	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	55
۱۵	تربیت اولاد اور والدین کی خواہشات	علامہ ابتسام الٰہی ظہیر	60
۱۶	قطع تعلق: ایک بڑھتا ہوا معاشرتی ناسور	محمد احمد طاہر	63
۱۷	مسلم قوم کو متحد کرنے کیلئے 'ایک اسلام' کی ضرورت	شاہ عمران حسن	65
۱۸	.....سیرت نبوی کا مطالعہ ناگزیر	عبدالقدوس ہاشمی	68
۱۹	'مسجد اقصیٰ روتی ہے'	نازش ہما قاسمی	71
۲۰	ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ وارانہ منافرت ملک اور سیاست...	مفتی احمد نادر القاسمی	74
۲۱	ٹیپو کے شہر میں- مجاہدین آزادی کو خراج عقیدت	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	77
۲۲	حضرت مولانا سید شاہ شوکت علی عبدالغفور نظیرؒ	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	80
۲۳	حاجی عبدالرزاق کالیسکر: کچھ یادیں کچھ باتیں	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	83
۲۴	کوائف جامعہ	ابوحمنہ شہاب	85

آغاز سخن

مفتی محفوظ الرحمن عثمانی

جن کی خوشبو سے معطر تھا چمن

امیر شریعت سادس حضرت مولانا سید نظام الدین نور اللہ مرقدہ ملت اسلامیہ کے ایک ایسے عظیم سپوت اور بے مثال قائد تھے جنہوں نے پوری زندگی مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ملت کی تعمیر و ترقی کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ ہزاروں حالات آئے، مختلف ناگفتہ بہ مواقع کا انھوں نے سامنا کیا، لیکن ان کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہیں آئی، وہ ہمیشہ پوری تندہی اور جوابدہی کے ساتھ اپنے مشن پر گامزن رہے۔ امارت شرعیہ کی ترقی اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کو اپنے اصل مقصد پر برقرار رکھنے کے لئے ساری زندگی جدوجہد کرتے رہے۔ انہوں نے دو عظیم شخصیت امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحب نور اللہ مرقدہ اور قاضی القضاۃ حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کے ساتھ مل کر تقریباً نصف صدی کے محیط عرصہ پر امارت کی خدمات انجام دی۔ حضرت قاضی صاحبؒ کے ساتھ مل کر انہوں نے امارت کو نئی بلندی اور وسعت عطا کی، امارت میں کئی شعبوں کا اضافہ کیا۔ خاص طور پر ان دونوں بزرگوں نے امارت کو خانقاہ مجیبیہ سے منتقل کر کے پھلواری شریف میں لانے کا نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ معہد القضاء اور آئی ٹی آئی کے کئی ادارے ان کی نگرانی میں قائم ہوئے۔ مختصر یہ کہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ بانی امارت شرعیہ و جمعیۃ علماء ہند کا رنگ اور اثر ان بزرگوں میں مکمل طور پر نمایاں تھا، یا یوں کہئے کہ قائد ملت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب نور اللہ مرقدہ نے مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ جو تربیت حاصل کی تھی، انہوں نے اپنے ان دونوں رفقاء کو اسی رنگ میں رنگ دیا اور تا زندگی یہ حضرات بانی امارت شرعیہ کے نہج پر چلتے ہوئے ان کے وسیع و عظیم افکار کو پروان چڑھاتے رہے، کبھی انہوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، بلکہ ہمیشہ اپنے مقاصد کو پانے اور ملت کے عظیم سرمایہ کو آگے بڑھانے کیلئے تابناک مستقبل پر نگاہ رکھی۔ ان کے کام، ان کی ہمت اور ان کی فکر سے آشکارا ہوتا تھا:

جس دن سے چلا ہوں میری منزل پہ نظر ہے
آنکھوں نے کبھی میل کا پتھر نہیں دیکھا

اسی طرح آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے تین صدور مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ اور موجودہ صدر مدبر اسلام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے ساتھ ملت کی بقا و تحفظ اور پرسنل لا کے لیے مثالی جد وجہد پیش کی۔ 1991 میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے دوسرے جنرل سکریٹری مقرر ہونے کے سے بعد اپنی اس ذمہ داری کو بھی

بحسن وخوبی نبھا کر قیادت وسیادت کی نئی مثال قائم کی۔قارئین اس بات سے واقف ہیں کہ بورڈ میں مختلف فرقوں اور مختلف جماعتوں کے نمائندے ہوتے ہیں،اس لیے اختلاف رائے کا ہونا کوئی بعید نہیں ہے،اس کے باوجود تقریباً اپنے 25 سالہ جنرل سکریٹری رہنے کے دور میں اپنی خداداد صلاحیت اور حسن اخلاق کے سبب بورڈ میں انتشار نہیں ہونے دیا اور اس کے وقار کا مکمل خیال رکھا۔

امیر شریعت مولانا نظام الدینؒ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے تھے اور آپ کا روحانی تعلق بھی شیخ الاسلام سے ہی تھا۔آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کرنے کے بعد مشہور دینی درس گاہ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں داخلہ لیا اور متوسطات کی کتابیں پڑھیں،پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے 1942 میں دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، جہاں سے 1946 میں دورہ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ 1947 میں دارالعلوم دیوبند سے تکمیل ادب کے بعد درس و تدریس سے وابستہ ہوگئے۔مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی چمپارن میں بحیثیت صدر مدرس 1962 تک انتظامی اور تدریسی خدمات انجام دی۔ جب آپ مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی میں خدمات انجام دے رہے تھے تو اسی دوران 1958 میں حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی سے آپ کی پہلی ملاقات ہوئی۔ جب مولانا رحمانی امیر شریعت رابع منتخب ہوئے؛ تو ان کی دوررس نگاہ نے قابل اور باصلاحیت علماء کا ایک ایسا گروپ امارت شرعیہ میں جمع کرنا شروع کیا جو حضرت کی وفات کے بعد اسلاف واکابر کے مشن کو پوری تندہی اور جدوجہد کے ساتھ آگے بڑھانے اور افکار سجاد کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرسکے۔ان ہی چیندہ شخصیات میں قاضی القضاۃ حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی نوراللہ مرقدہ اور امیر شریعت سادس مولانا سید نظام الدین صاحب (رحمہ اللہ) تھے۔1965 میں حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب کو قاضی صاحبؒ کے اصرار پر امارت کی نظامت کا عہدہ پیش کیا گیا،پھر امیر شریعت خامس مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کے انتقال کے بعد یکم نومبر 1998 کو اراکین شوری امارت شرعیہ نے آپ کو امیر سادس اور قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کو نائب امیر منتخب کیا۔تقریباً 50 سالوں تک ملت اسلامیہ ہند کی سیاسی،سماجی اور ملی قیادت کا فریضہ انجام دینے والے ملت کے اس عظیم میر کارواں کی زندگی کا سورج 17 اکتوبر کی شام کو ہمیشہ ہمیش کے لئے غروب ہوگیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

امارت شرعیہ میں ان کی خدمات کی روایت بے لوث تھی جسے وہ پوری زندگی نبھاتے رہے،کوئی معاوضہ اور تنخواہ نہیں لیا،ذمہ داروں نے بہت زور دیا کہ طویل دور نظامت کے لئے پنشن کے طور پر کچھ مقرر کردیا جائے؛لیکن انہوں نے یہ بھی گوارہ نہیں کیا۔بیت المال کے پیسے پیسے کی حفاظت پوری دیانت داری کے ساتھ کی،ذاتی زندگی میں وہ رقیق القلب بھی تھے اور سخی بھی،صبر وتحمل اور برداشت میں اپنی مثال آپ تھے۔تواضع انکساری ان کی فطرت کا حصہ اور پوری زندگی خوبیوں اور اچھائیوں کا گلدستہ تھی،لیکن ان کی دو صفت سب سے نمایاں ہے جو انہیں اوروں سے ممتاز کرتی ہے۔ایک تواضع وانکساری اور امیر شریعت اور آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ جیسے ادارے کے جنرل سکریٹری ہونے کے باوجود نام ونمود اور شہرت سے بچنا اور حساب وکتاب کے سلسلے میں اداروں کی امانت میں

ہمیشہ محتاط رہنا اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے رہنا حضرت کا خاص طرۂ امتیاز تھا۔ احتیاط کا عالم یہ تھا کہ بقول مولانا انیس الرحمٰن صاحب قاسمی ناظم امارت شرعیہ اگر نئی جھاڑو خرید کر لائی جاتی تو پھر اسی سے پوچھ لیتے کہ پرانی جھاڑو ابھی چلنے کے قابل ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس کی کیا ضرورت پڑی؟ آپ نے پوری زندگی عالمانہ وقار اور داعیانہ کردار کے ساتھ گذاردی، اتحاد امت، خدمت خلق، اصلاح معاشرہ اور پریشان حال لوگوں کی مدد آپ کی زندگی اور خدمات کے نمایاں عناوین ہیں جو تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھے جائیں گے۔

القصہ مختصر یہ کہ حضرت امیر شریعت مولانا سید نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی ملت اسلامیہ کے فلاح بہبود، امارت شرعیہ کی تعمیر وترقی اور مسلم پرسنل لابورڈ کے بقاء واستحکام سے عبارت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی ملی، سیاسی اور دینی بصیرت سے ہندوستان کے ان دونوں اہم ترین ادارے کو نئی جہت اور نئی شناخت ملی۔ رنج وغم کے اس موقع پر یقیناً ہم حضرت کی روح کو خراج عقیدت پیش کرنے کیلئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

جن کی خوشبو سے معطر تھا چمن
ہاں وہی بہاریں رخصت ہوگئیں

بہار میں عظیم اتحاد کی تاریخی جیت فرقہ پرستوں کے منھ پر طمانچہ

2015 کے بہار اسمبلی انتخابات میں 'عظیم اتحاد' کی تاریخی جیت پر ہم ریاست کے عوام، عظیم اتحاد کے لیڈران عالی جناب نیتش کمار، عالی جناب لالو پرساد یادو اور محترمہ سونیا گاندھی کو دل کی گہرائی سے مبارکباد پیش کرتے ہیں اور بہار کے مسلمان اور امن پسند عوام کے جذبہ کو سلام کرتے ہیں، جنھوں نے عظیم اتحاد کو ووٹ دیا۔

اس اسمبلی انتخابات میں بی جے پی کی شکست فاش دراصل آر ایس ایس جیسی فسطائی طاقتوں کی شرمناک ہار ہے، جس سے کہ ہندوستان کی جمہوریت اور امن وآشتی کو بڑا خطرہ لاحق ہے۔ آج بہار کے امن پسند عوام نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ہندوستان فرقہ پرستی نہیں بلکہ امن پسندی کا علم بردار ملک ہے اور یہی رنگارنگی اور بقول شاعر:

سبھی کا خون ہے شامل یہاں کی مٹی میں

ہمارے ملک کا امتیاز ہے، جس کا خوبصورت پیغام بہار انتخابات کے نتائج نے دیا ہے، اس نتیجے نے دراصل سنگھ اور دائیں بازو کی انتہا پسند تنظیموں کے منہ پر طمانچہ رسید کرتے ہوئے فرقہ پرستوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ:

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلادو

بے شک بہار انتخابات کا نتیجہ پورے ملک کے لئے ایک نیا پیغام ثابت ہوگا کیونکہ بہار وہ تاریخی سرزمین ہے جہاں کے علماء اور عوام نے ہر دور میں اور ہر تحریک کو نیا جوش اور نئی سمت دینے میں اہم رول ادا کیا ہے اور آئندہ بھی فرقہ پرستی کے خلاف شمشیر بے نیام ثابت ہوں گے۔ بہار کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں ولایت کے تاجدار اور انسانیت کے علمبردار شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ، مؤرخ اسلام علامہ سید سلیمان ندویؒ، رئیس القلم علامہ مناظر احسن گیلانیؒ، ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ، قائد ملت مولانا منت اللہ رحمانیؒ اور فقیہ العصر مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ جیسی عبقری اور نابغہ روزگار شخصیات نے اپنے علم و عمل اور کارناموں سے پوری دنیا کو فیض یاب کیا اور ہندوستان میں قوم و ملت کی قیادت فرمائی۔ سیمانچل ڈیولپمنٹ فرنٹ بہار کی مہم کا مقصد بھی سیکولر حکومت کا قیام تھا، جس کے لئے فرنٹ نے مسلسل جد وجہد کی اور نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ جس طرح سے 2015 کے بہار اسمبلی انتخابات میں سیکولر عوام بالخصوص مسلمانوں نے بے نظیر اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے بی جے پی اور اس کی ہمنوا جماعتوں کو دھول چٹائی ہے اسی فارمولے کو دوسری ریاستوں میں بھی آزمایا جائے تو یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ ہمارا ملک بھگوا رنگ سے مکمل آزاد ہو جائے گا۔

اس تاریخی اور پر مسرت موقع پر ہم امید کرتے ہیں کہ عالی جناب نتیش کمار، عالی جناب لالو پرساد یادو اور محترمہ سونیا گاندھی ہر طبقہ کو ساتھ لے کر بہار کو ترقی دیں گے اور بلا تفریقِ مذہب محض انسانی بنیاد پر سب کا خیال رکھیں گے۔ مسلمانوں نے جس طرح سے جناب نتیش کمار کو پانچویں مرتبہ بہار کی قیادت سونپنے میں اہم کردار ادا کیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ مسلم مسائل، تعلیمی ادارے اور مسلم اکثریتی علاقوں پر خصوصی توجہ دی جائے، بالخصوص مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی جس کا قیام 1989 میں ہوا تھا وہ آج بھی اپنے وجود کے لئے جد وجہد کر رہی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عالیجناب نتیش کمار صاحب جو اپنی کرشماتی شخصیت کے لئے مشہور ہیں اور ریاست کے مسلمانوں کو ان سے بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں وہ ان کی امیدوں پر کھرا اتریں تا کہ ریاست کے عوام جو انہیں دہلی کی کرسی پر وزیر اعظم کی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں ان کی یہ دلی تمنا بھی پوری ہو سکے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

❀ ❀ ❀

اداریہ

مودی حکومت میں غیر محفوظ ہوتے مسلمان!

ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی

ہندوستانی معاشرے میں سرعام کوئی بے گناہ قتل کردیا جاتا ہے، ہر جگہ خون کے دھبے پڑے ہوئے ہوتے ہیں، کئی آستینیں خون آلود ہوتی ہیں، مگر پھر بھی کسی کو ثبوت نہیں ملتا، یہ عجیب بات ہے۔ تحقیقات ہوتی ہیں، کمیشنوں کا قیام ہوتا ہے، برسوں یہ سلسلہ چلتا ہے، کروڑوں روپے اس پر خرچ کیے جاتے ہیں، مگر نتیجہٗ 'ڈھاک کے تین پات'۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک بابری مسجد کی شہادت کے ذمہ دار، ممبئی، بھاگل پور، میرٹھ ملیانہ اور گجرات قتل عام جیسے سنگین معاملوں میں مجرموں کو سزا نہیں ہوسکی۔ ان فسادات کے کلیدی ملزمین یا تو بری کردیے گئے یا عدالت میں ان کا مقدمہ چل رہا ہے۔ جب اتنے بڑے بڑے فرقہ وارانہ فسادات کے قصورواروں کا کچھ نہیں ہوا، تو 'دادری' کے محمد اخلاق کے قتل کا کیا ہو گا؟ حکومت بھی وہی جو مظفرنگر فساد کے وقت تھی اور قاتل بھی وہی لوگ۔ ابتدائی تفتیش کے دوران جو ۱۰ ملزمین پکڑے گئے ہیں ان میں ۷ بی جے پی لیڈر کے رشتہ دار ہیں۔ اس لئے قوی امید ہے کہ مظفرنگر کی طرح یہاں بھی لے دے کر معاملے کو سرد بستے میں ڈال دیا جائے گا۔ جب مظفرنگر کے گنہگار کا جرم ثابت نہیں ہوسکا، تو رات کی تاریکی میں اخلاق کے گھر پر حملہ کرکے اس کا قتل کرنے والے ہزار، دو ہزار وحشیوں کے خون کو کون ثابت کرے گا۔

جدید بھارت میں انسانوں کے قتل پر افسوس کم سیاست زیادہ چمکائی جاتی ہے اور بدقسمتی سے مرنے والا مسلمان ہو تو سیاسی جماعتوں کی بلے بلے۔ ایک طرف جمہوریت پسند پارٹیوں کے لیڈران گھڑیالی آنسو بہاتے ہیں تو دوسری طرف سخت گیر دائیں بازو کی جماعتیں کھل کر قاتلوں کی حمایت میں کھڑی ہو جاتیں ہیں اور سیاسی پارٹیوں کی اس لڑائی میں اصل مسئلہ بہت پیچھے چلا جاتا ہے یعنی قصورواروں کو کبھی سزا نہیں مل پاتی یہی ہندوستان کی تاریخ ہے۔ نیتاؤں کی چیخ و پکار میں مظلومین کی آہیں دب جاتیں ہیں، ثبوت دھو دیے جاتے ہیں، یہی ہر بار ہوا ہے اور اس بار بھی ہوگا۔

قومی راجدھانی دہلی سے تقریباً ۳۵ رکلومیٹر کے فاصلے پر دادری (اترپردیش) کے بساہڑا گاؤں میں محض افواہ کی بنیاد پر مشتعل ہجوم نے 50 سال کے محمد اخلاق کو اہل خانہ کی آنکھوں کے سامنے گھر میں ہی قتل کرکے ان کی لاش کو گھسیٹتے ہوئے باہر سڑک پر لاکر پھینک دیا گیا۔ اخلاق کو فسادیوں نے اس بے دردی سے مارا کہ ان کا چہرہ مسخ ہوگیا۔ وحشی بھیڑ نے گھر کے کسی فرد کی فریاد والتجا پر کان نہیں دھرا، اور بزرگ خواتین تک کو زدوکوب کیا۔ پولیس ہمیشہ کی طرح یہاں بھی اس وقت پہنچی جب اس گھر کا چراغ ہمیشہ کیلئے بجھ چکا تھا، گھر میں لگائی گئی آگ ٹھنڈی ہوچکی تھی اور خون کی ہولی کھیلنے والے ہزاروں درندے جاچکے تھے۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ دھرم کے نام پر یہ سب کچھ کیا جارہا ہے۔ بدقسمتی سے اب حکومت کی باگ ڈور بھی انہیں فسطائی طاقتوں کے خونی پنجہ میں ہے۔ ایسے میں اخلاق کے اہل خانہ کو انصاف کہاں سے ملے گا اور کس طرح ملے گا یہ کہنا بہت مشکل ہے۔

ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک رہنے والے اس کے پڑوسی اپنا گھر، بار چھوڑ کر کہیں روپوش ہوگئے۔ کیوں کہ سب جان رہے تھے کہ قاتل کون ہے؟ کس نے، کس کے اشارے پر، کس مقصد سے یہ اسکرپٹ تیار کی کہ ایک ہنستا مسکراتا خاندان تباہ وبرباد ہوگیا۔

اس دردناک واقعہ کے بعد ایک بار پھر وہی سوال اٹھتا ہے کہ کیا مودی اور ملائم کے راج میں کوئی مسلمان خود کو محفوظ تصور کرسکتا ہے؟ ہندوستان میں اقلیتوں پر پے درپے ہورہے منظم حملوں نے یہ سوچنے پر مجبور کردیا ہے کہ ملک اور بیرون ملک میں بڑے بڑے مجمع میں انسانیت کی دہائی دینے والے وزیراعظم نریندر مودی کے قول وعمل میں اب بھی وہی تضاد ہے جو ۲۰۰۲ کے گجرات فسادات کے وقت تھا۔ اقلیتوں میں بے چینی بڑھتی جارہی ہے۔ حضر میں ہوں یا سفر میں انہیں ہر جگہ ایک انجانا خوف ستاتا رہتا ہے، وہ اپنے آپ کو کہیں محفوظ نہیں سمجھتے۔

مظفر نگر، شاملی، دہلی، آگرہ، بریلی، مرادآباد، اٹالی گاؤں، سہارنپور، راجستھان، نوادہ، مظفرپور، رانچی اور جمشید پور میں معمولی معمولی واقعے کو بنیاد بنا کر ہی اقلیتوں کو نشانہ بنایا گیا۔ حکمراں جماعت بی جے پی کے لیڈران زہر اگلنے میں ساری حدوں کو پار کرچکے ہیں۔ مٹھی بھر انتہا پسند لوگ ملک کی سالمیت کو کھلے عام پارہ پارہ کررہے ہیں، مگر مودی حکومت ان پر لگام کسنے کے بجائے تماشائی بنی ہوئی ہے۔ خود اپنے وزراء اور لیڈروں کو کنٹرول کرنے میں نریندر مودی یا تو بے اثر ثابت ہورہے ہیں، یا پھر انہیں کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم سنجیدگی سے ان حالات کا جائزہ لیں اور ہندو۔ مسلمان مل جل ملک کو بارود کے ڈھیر پر لے جانے والی قوتوں سے بچائیں۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جب سے مرکز میں مودی کی قیادت میں بی جے پی کی حکومت بنی ہے۔ فرقہ وارانہ تشدد کے واقعات میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ دہلی، ہریانہ، آندھرا پردیش، اترپردیش، بہار، مغربی بنگال، چھتیس گڑھ، گجرات، اڑیسہ، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر، کرناٹک اور راجستھان میں پے درپے فرقہ وارانہ تشدد کے واقعات دیکھنے کو ملے ہیں۔ چند ماہ قبل وزارت داخلہ کی طرف سے جاری رپورٹ کے مطابق ملک میں گزشتہ پانچ ماہ میں فرقہ وارانہ فسادات میں 24 فیصد، جبکہ ان واقعات میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد میں 65 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ یہ اعداد و شمار اسی سال کے ابتدائی پانچ ماہ (جنوری 2015 سے لے کر مئی 2015 تک) اور گزشتہ سال کے پہلے پانچ ماہ (جنوری 2014 سے لے کر مئی 2014 تک) کے تقابلی جائزے کے بعد سامنے آئے ہیں۔ گزشتہ سال پہلے پانچ ماہ (جنوری 2014 سے مئی 2014 تک) کانگریس کی حکومت تھی۔

وزارت داخلہ کے اعداد و شمار میں 2015 میں جنوری سے مئی کے درمیان کل 287 فرقہ وارانہ تشدد کے معاملے سامنے آئے جو گزشتہ سال کے 232 فرقہ وارانہ معاملات سے تقریباً 24 فیصد زیادہ ہیں۔ وہیں اسی مدت میں فرقہ وارانہ فسادات میں قیمتی جان گنوانے والوں کی تعداد 43 ہے جو گزشتہ سال 26 تھی۔

2015 کے بہار اسمبلی انتخابات میں عوام نے بی جے پی کو بری طرح سے مسترد کردیا ہے، یہ اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ بی جے پی اور آر ایس ایس کے اچھے دن گئے اور یہاں سے ان کی الٹی گنتی شروع ہوچکی ہے۔ بہار کے عوام نے ایک بار پھر سے ملک کو نئی سوچ اور نئی سمت عطا کی ہے۔ فرقہ پرستوں کو بہار میں ناکامی ملی ہے اس سے ان کا حوصلہ کافی پست ہوا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان فسطائی طاقتوں کو ناکام بنانے کے لئے سیکولر جماعتیں متحد ہوں تاکہ فرقہ پرست لوگ ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کی جڑوں میں مٹھا ڈالنے کی ہمت نہ کرسکے۔

❁ ❁ ❁

سوانحی خاکہ

امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ

● مرتب: محمد عارف اقبال

نام	....	سید نظام الدین
تخلص	....	فرحتؔ گیاوی
ولادت	....	31/مارچ 1927ء مطابق 1345ھ
بمقام	....	محلہ پرانی جیل، گیا (بہار)
والد محترم	....	قاضی سید حسینؒ (تلمیذ علامہ انور شاہ کشمیریؒ)
والدہ کی وفات	....	1930ء
ابتدائی تعلیم (رسم بسم اللہ)	....	1931ء
مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں داخلہ	....	1941ء
والد کی وفات	....	1942ء
دارالعلوم دیوبند میں داخلہ	....	1942ء
دورۂ حدیث سے فراغت	....	1946ء
تخصص فی الادب	....	1947ء
مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی میں بحیثیت صدر مدرس	....	1948-962ء
قاضی شرف الدین (دادا) کا انتقال	....	1949ء
رشتۂ ازدواج سے منسلک	....	31/مارچ 1950ء
امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ سے پہلی ملاقات	....	1958ء
قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ سے پہلی ملاقات	....	1958ء

مفسر قرآن حضرت مولانا ریاض احمد صاحب کا انتقال	1961ء
مدرسہ رشید العلوم چترا میں صدر مدرس................................	1963ء-1964ء
قاضی صاحبؒ کی طرف سے امارت آنے کیلئے مسلسل اصرار..........	1964ء
امارت سے وابستگی اور ناظم امارت شرعیہ............................	1965ء
پہلا سفر حج	1969ء
امارت کی نئی عمارت کی سنگ بنیاد	15/نومبر 1981ء
آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قیام	8/اپریل 1973ء
دوسرا سفر حج	1988ء
اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا قیام.................................	اپریل 1989ء
امیر شریعت رابعؒ کی وفات	19/مارچ 1991ء
بورڈ کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے آپ کا انتخاب	مئی 1991ء
رکن سنٹرل وقف کونسل	1972ء تا 1997ء
نائب امیر شریعت کے عہدہ پر	12/مئی 1991ء
بابری مسجد کی شہادت کے احتجاج میں صدر تھانہ دہلی میں گرفتاری......	9/جنوری 1993ء
امیر شریعت خامس حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کا انتقال.........	2/ستمبر 1998ء
امیر شریعت کے منصب پر	1/نومبر 1998ء
قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کا انتقال	4/اپریل 2002ء
رکن، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ....................................	1996ء
رکن، دارالعلوم دیوبند	1997ء
وفات	۳/محرم الحرام ۱۴۳۷ھ مطابق 17/اکتوبر 2015ء

❀ ❀ ❀

حضرت امیر شریعت مولانا سید نظام الدینؒ

حیات و خدمات

.... ● محمد عارف اقبال

مذہب اسلام میں امارت گویا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ خلافت و نیابت کا جو فریضہ امت مسلمہ پر لازم کیا گیا وہ اپنی تمام تر قوتوں اور بنیادی وجاہتوں کے ساتھ ساتھ قائم ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ہندوستان میں اسلامی امارت ظالم و جابر حکمرانوں کے استبداد سے مغلوب ہونے لگی تو زعمائے ملت اور مفکرین قوم وملت نے ایک مشترکہ میٹنگ طلب کی اور یہ لائحہ عمل اور قرارداد؛ بلکہ اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا گیا کہ اسلامی شان وسطوت کی بقا اور فقہ وفتاوی نیز اسلامی عائلی قوانین کی پاسداری اور نفاذ کیلئے ایک ادارہ کا قیام ناگریز ہے؛ لہذا ان ہی خطوط و نکات کے تئیں امارت شرعیہ کا قیام 1921 میں عمل میں آیا اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ نے جو طرح اور بنیاد ایک اسلامی امارت کیلئے ضروری سمجھا تھا، امارت شرعیہ کیلئے لازم تصور کیا، افراد آتے گئے اور جو نظریہ زعمائے ملت اور مفکرین قوم وملت نے امارت کیلئے پیش کیا تھا، اسے حرزِ جان بنا کر فروغ واحیاء میں مصروفِ کار رہے۔ اس ذیل میں بڑے بڑے اسماء قابلِ ذکر ہیں، بالخصوص امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ کی خدمات کسی بھی فرد سے مخفی نہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی دوسرے اکابر ہیں جنھوں نے امارت کے تمام بنیادی اصولوں کے تئیں اپنی جاں سپاری کے ساتھ فرائض کی انجام دہی کو لازمی سمجھا اور اس کے نتائج بھی ثمر آور ثابت ہوئے۔ اسی کڑی میں امیر شریعت سادس مولانا سید نظام الدین صاحبؒ کی ذات گرامی ہے، جنھوں نے ہر ممکن امارت شرعیہ کی ترقی و استحکام کیلئے کوششیں کی اور امارت شرعیہ کو ہمہ جہت ترقیات سے ہم کنار کیا۔

میر کارواں حضرت امیر شریعت مولانا نظام الدین صاحبؒ کی امارت شرعیہ سے وابستگی میں بہت حد تک حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی دیرینہ خواہش اور اصرار کا خاص دخل ہے۔ حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ امارت شرعیہ سے وابستہ ہوئے تو امارت کے کاز کو آگے بڑھانے اور مزید فعال بنانے کے لئے ان کی نظر انتخاب امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدینؒ پر پڑی۔ حضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی طرف سے شدید اصرار ہوتا کہ امارت شرعیہ تشریف لائیں اور اپنے اکابر کی اس امانت کو سنبھالیں۔ بالآخر 1965 کے اوائل میں مولانا سید نظام الدینؒ امارت شرعیہ تشریف لائے۔ خداداد صلاحیت، بیدار مغزی اور فعالیت کے باعث ان کو امارت کی نظامت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ تقریباً 34 سال تک اس ذمہ داری کو نبھائی اور امارت شرعیہ کے تمام شعبہ جات کی ترقی استحکام نیز اس کی توسیع میں جانفشانی سے کام لیا، یہاں تک کہ امارت کی ترقی خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی خوب عیاں ہونے لگی۔

امیر شریعت مولانا سید نظام الدینؒ کی پیدائش 31 مارچ 1927 کو بہار کے گیا شہر کے محلہ پرانی جیل خانہ واقع شاہ شریف صاحب شملہ والے کے یہاں ہوئی۔ چھ سال کی عمر میں رسم بسم اللہ ہوئی اور تعلیم کا سلسلہ پنچیتی اکھاڑہ کی مسجد سے شروع ہوا۔ دارالعلوم دیوبند میں مولانا اعزاز علی صاحب، مولانا عبدالسمیع صاحب، مولانا ادریس کاندھلوی صاحب، قاری محمد طیب صاحب، حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہم الرحمہ جیسے اساطین علم وفن اور منبع علوم ومعرفت سے شرف تلمذ حاصل کیا اور یوں وہ علم وکمال کے اوج ثریا تک پہونچے، ان کی فراغت دارالعلوم سے 1947 میں ہوئی اور یہیں فقہ وتفسیر میں تخصص بھی کیا، فراغت کے بعد مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی چمپارن میں بحیثیت صدر مدرس درس وتدریس کا آغاز کیا۔ یہاں تقریبا 11 سال تک اپنے فرائض منصبی بحسن وخوبی انجام دیتے رہے، اس دوران سینکڑوں کی تعداد میں علماء اور محافظین دین وملت کی فوج تیار کی۔ مولانا ریاض احمد صاحب کے انتقال کے بعد بعض وجوہ کے باعث مدرسہ ریاض العلوم سے مستعفی ہوگئے اور اپنے گھر واپس لوٹ آئے۔ 1963 میں مولانا رحمت اللہ چتراوی کی دعوت پر مدرسہ رشید العلوم چترا ہزاری باغ تشریف لے گئے اور دو سال تک صدر مدرس کی حیثیت سے درس وتدریس کے ساتھ مدرسہ کے انتظام وانصرام سے وابستہ رہے، اس طرح حضرت امیر شریعت بحیثیت مجموعی / 16 سالوں تک درس وتدریس سے وابستہ رہ کر تشنگان علوم نبوت کی تشنہ لبی کو سیراب کرتے رہے۔ حضرت امیر شریعت کا طرز درس اپنی مثال آپ تھا؛ بلکہ یوں کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ وہ ایک طرز نو کے موجد تھے، افہام وتفہیم کا خداداد ملکہ حاصل تھا، صرف ونحو کی باریکیوں کو یوں واضح کرتے کہ گویا اس کی تصویر کشی کر رہے ہوں، غبی سے غبی طالب علم کو اسباق یوں ذہن نشیں ہوجاتے کہ نقش کالحجر ہوں۔ جیسا کہ ماقبل میں بھی گذرا کہ مولانا سید نظام الدینؒ امارت شرعیہ میں قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ کے شدید اصرار کے بموجب 1965 میں تشریف لائے۔ انتظامی صلاحیت، بیدار مغزی، دیانتداری اور بردباری کی وجہ سے امارت شرعیہ کے ناظم مقرر کیے گئے۔ قرعہ فال بنام ''من دیوانہ زدند یہ'' کے مصداق پر پورا اترتا ہوا نظر آیا جب مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کی وفات حسرت آیات پیش آئی اور ایک خلا بھی محسوس ہوا کہ اب امارت شرعیہ کی قیادت کون کرے گا اور کون ہے جو قومی وملی مفاد کیلئے غور وخوض کر کے مثبت راہ ہموار کرے گا۔ اس موقع پر حضرت قاضی مجاہد الاسلامؒ کے اس قول کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ ہمارے حلقہ میں وہی سب سے زیادہ قابل اتفاق شخصیت ہیں؛ اس لیے میری نگاہ میں ان کے ہاتھوں امارت شرعیہ کا مستقبل محفوظ ہے۔ مجلس شوری کے فیصلے اور مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب کی تجویز کے باعث حضرت مولانا کا یکم نومبر 1998 میں بحیثیت امیر شریعت انتخاب عمل میں آیا۔

آپ کے زریں کارنامے:

امارت شرعیہ سے وابستگی کے بعد امارت ہی اوڑھنا بچھونا بن گئی۔ آپ اور آپ کے رفیق کار قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ قاسمی دونوں نے مل کر پورے صوبہ بہار کا دورہ کر کے امارت شرعیہ کو متعارف کرایا، اس کے مطالبات سے لوگوں کو روشناس کرایا اور اس کی اہمیت وافادیت کا احساس دلایا نیز امارت شرعیہ کے

دائرہ کار اور اس کے ارتباط کو لوگوں میں وسیع کیا، آپ نے ملک کے تمام مسائل کو اٹھایا اور جو مسائل خواہ وہ ملی ہوں یا ملکی بھر پور طریقہ سے اس کے تدارک کے تئیں کوشش کی، امارت شرعیہ کے ناظم کے عہد سے امیر شریعت کی مدت کار میں بے شمار ملی وفلاحی کام میں پیش پیش رہے، امارت شرعیہ کے تمام شعبہ جات کی ترقی واستحکام اور توسیع میں اہم رول ادا کیا، آپ کی عظیم خدمات کا دائرہ وسیع ہے جسے زمانہ فراموش نہیں کرسکتا۔ جن میں سے کچھ یہاں پیش خدمت ہے۔

☆ ابتداء میں دفتر امارت شرعیہ تنگ جگہ میں تھا، جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی بھی مشکل سے ہو پاتی تھی آپ نے خانقاہ سلیمانیہ کے مکان کا ایک حصہ جو خلوت کے نام سے موسوم تھا، دس سال کیلئے کرایہ پر لیا یہ مکان ۶تک امارت کے تصرف میں رہا۔

☆ داروغہ نظیر کے مکان میں امارت شرعیہ کا دارالقضاء قائم تھا جو کہ کرایہ پر تھا آپ کی کوشش سے اس مکان کو خرید کر امارت شرعیہ میں شامل کرلیا گیا۔

☆ دارالامارت کیلئے زمین کے حصول کی کوشش شروع کی اور پھر حاصل ہوجانے کے بعد رقم کی ادائیگی کیلئے آپ اور قاضی مجاہدالاسلام صاحبؒ نے ملک کا دورہ کیا اور پھر اپنی نگرانی میں اس کی احاطہ بندی کرائی جو کہ ایک مشکل کام تھا۔

☆ مولانا سجاد میموریل اسپتال کی تعمیر اور پھر آپ ہی کی نگرانی میں اس کی پہلی منزل تعمیر ہوئی نیز آپ کے حکم وایماء پر کئی دیگر شعبہ جات بھی قائم ہوئے۔

☆ آپ ہی کے عہد میں مولانا منت اللہ رحمانی ٹیکنکل انسٹی ٹیوٹ کا افتتاح ہوا اور پھر اس کی کئی شاخیں دوسرے اضلاع میں قائم ہوئیں۔

☆ امارت شرعیہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر ٹرسٹ کا قیام عمل میں آیا۔

الغرض ان خدمات کے علاوہ اور بھی سینکڑوں خدمات ہیں جو حضرت امیر شریعت کے ہی عزم محکم، خلوص وایثار اور عمل پیہم کے باعث انجام پذیر ہوئے۔

مسلم پرسنل لا اور حضرت امیر شریعت:

آپ امارت شرعیہ کے ساتھ ساتھ ملک کے مسلمانوں کی سب سے بڑی اور متحدہ جماعت مسلم پرسنل لا بورڈ کے ابتدائے قیام سے ہی رکن رہے اور پھر جب پرسنل لا بورڈ کے پہلے جنرل سکریٹری حضرت امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی کی وفات ہوئی تو اکابر ملت کی نظر انتخاب آپ پر ہی پڑی اور متفقہ طور پر آپ کو اس عہدہ جلیلہ کے لئے منتخب کرلیا گیا۔ اس طرح آپ پرسنل لا بورڈ کے دوسرے سکریٹری جنرل کی حیثیت سے منتخب ہوئے اور آخری سانس تک اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہ کر ملت اسلامیہ ہندیہ کے مسائل کو حل کرنے میں انتہائی دیانت داری اور فعالیت کے ساتھ پیش پیش رہے۔

قضاء اور کچھ اہم فیصلے:

حضرت امیر شریعت مولانا نظام الدین صاحب یوں تو امارت شرعیہ کے ناظم تھے اور قضا کی ذمہ داری حضرت قاضی مجاہدالاسلام (قاضی القضاۃ) اور ان کے نائبین نبھا رہے تھے، امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ رحمانیؒ آپ کی ذہانت اور تفقہ کے قدرداں تھے اور خوب اعتماد بھی کرتے تھے؛ اس لیے کبھی کبھی قاضی صاحب دفتر میں موجود نہ رہتے تھے تو دارالقضاء سے متعلق

تمام فیصلے آپ کے ہی حوالے کرتے، چونکہ امارت شرعیہ کے دارالقضاء کے فیصلہ میں تاخیر نہیں کی جاتی ہے؛اس لیے حضرت قاضی صاحب کی عدم موجودگی میں آپ ہی قاضی کی حیثیت سے فیصلہ کرتے اور دستخط فرماتے۔اس طرح حضرت امیر شریعت مولانا نظام الدین صاحبؒ کے قلم سے سینکڑوں فیصلہ صادر ہوئے جو امارت شرعیہ کے رجسٹر میں محفوظ ہیں۔یہاں بطور استشہاد کے ایک فیصلہ نذر قارئین ہے۔

(مقدمہ:۱) اس مقدمہ میں مدعیہ نے مختلف اسباب کے تحت فسخ نکاح کا مطالبہ کیا ہے۔حضرت امیر شریعت نے فسخ نکاح کیلئے سبب کو ثابت پایا اور فسخ نکاح کا فیصلہ کیا۔قابل ذکر یہ ہے کہ مدعی علیہ نے جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا، کچھ دوسرے علماء سے مشورہ کر کے حضرت امیر شریعت کے فیصلہ کے خلاف اپیل کی اور اس فیصلہ کو غلط ثابت کرنے کی پوری کوشش کی۔اپیل کی سماعت کے بعد قاضی مجاہدالاسلامؒ نے تفصیلی بحث کی اور اس فیصلہ کے حق ہونے کو پوری طرح ثابت پایا اور حضرت امیر شریعت کے اس فیصلے کو بعینہ برقرار رکھا۔

(مقدمہ:۲)

اس مقدمہ میں مدعیہ کا دعوی ہے کہ بیس سال پہلے مدعی علیہ سے نکاح ہوا پھر مدعی علیہ نے اس کو طلاق مغلظ دے دی ہے اس نے عدت گذار کر دوسری شادی بھی کر لی، ابھی تک اس کو مہر واپس نہیں ملا ہے، دلوایا جائے۔اسی طرح اس نے کچھ زیورات کے بارے میں دعویٰ کیا کہ وہ مدعی علیہ کے پاس ہیں اسے بھی دلوائے جائیں۔

مدعی علیہ نے طلاق دینے کا انکار کیا ہے، مگر گواہوں کے بیانات سے مدعی علیہ کی طرف سے مدعیہ کو تین طلاق دینے کا اقرار کرنا بھی ثابت ہے؛اس لیے حضرت امیر شریعت نے وقوع طلاق کا فیصلہ کیا ہے اور مہر ادا کرنے کا بھی حکم دیا ہے، مگر مدعیہ کے زیورات کا مدعی علیہ کے یہاں ہونا ثابت نہیں ہوا اس لیے یہ دعوی خارج کیا گیا۔

(مقدمہ:۳)

اس مقدمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ فریقین کے درمیان سرکاری عدالت میں بھی مقدمہ دائر ہوا تھا وہاں آپس میں صلح ہوگئی تھی پھر دارالقضاء امارت شرعیہ میں مقدمہ دائر ہوا اس مقدمہ میں مدعیہ نے زیورات کا مطالبہ کیا ہے نیز حق حضانت کا بھی دعویٰ ہے۔

عموماً یہ بات ذہن میں رہتی ہے کہ ایک خاص مدت تک ماں کو حضانت کا حق ہوتا ہے اس کے بعد باپ کو یہ حق منتقل ہوجاتا ہے اور یہ دونوں کا حق ہے اور یہ بات ذہن سے اوجھل ہوجاتی ہے کہ ماں باپ کے حق حضانت کے ساتھ بچہ کا بھی حق ہوتا ہے

حالانکہ بچہ یا بچی کا حق ماں باپ کے حق پر مقدم ہے اسی لئے بچہ بچی کے نفع وضرر کو مقدم رکھا جاتا ہے اگر ماں کے پاس رکھنے میں بچہ کو ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہو تو اس مدت میں بھی جس میں ماں کو حق حضانت ہوتا ہے بچہ ماں کے حوالہ نہیں کیا جائے گا۔

اس مقدمہ میں بھی صورت حال کچھ یہی ہے ایک بچہ کی عمر ڈھائی تین سال تھی اور اس وجہ سے مدعیہ نے اپنا حق سمجھ کر اس کا مطالبہ بھی کیا تھا لیکن حالات ایسے ثابت ہوئے کہ اس عمر کے باوجود

اگر بچہ ماں کو دیا جاتا تو اس کو ضرر پہونچنے کا اندیشہ تھا اس لیے حضرت امیر شریعت نے مدعیہ کا دعویٰ خارج کرتے ہوئے بچہ کو باپ کے پاس رہنے کا حکم دیا تا کہ بچہ کو ضرر سے بچایا جاسکے۔ زیورات کے بارے میں بھی مدعیہ کا دعویٰ ثابت نہ ہوسکا؛ اس لیے مدعیٰ علیہ کو اس کے مطالبہ سے بری الذمہ قرار دیا گیا ہے۔

اعزاز اور ایوارڈ:

حضرت امیر شریعت نے ملی و دینی خدمات کے جو نقوش چھوڑے اس کے اعتراف میں انہیں یہ حق حاصل ہے کہ انہیں دنیاوی اعزاز و اکرام سے نوازا جائے، تاہم آپ کے مزاج میں ایوارڈ کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے چنانچہ ذیل میں اتفاقاً ملک کے مختلف علمی، سیاسی، سماجی اور دعوتی تنظیموں نے آپ کی خدمات کے اعتراف میں جن اعزاز و اکرام سے نوازا ہے اس پر مختصراً ایک نظر ڈالی جائے۔

(۱) نشان ملت ایوارڈ : یہ ایوارڈ ملک کے تاریخی شہر ممبئی کے حج ہاؤس میں پیش کیا گیا 'حج میگزین' کے سب ایڈیٹر مولانا شاہد ناصری صاحب نے ممبئی میں عالمی پیمانے پر منعقدہ مقابلہ قرات کے اجلاس میں آپ کو صدارت کیلئے مدعو کیا اور آپ کی خدمات کے اعتراف میں نشان ملت ایوارڈ پیش کیا۔

(۲) لائف ٹائم اچیومنٹ: انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز دہلی ء میں آپ کے ذریعہ امارت شرعیہ کو دینی و ملی خدمات کے اعتراف میں لائف ٹائم اچیومنٹ پیش کیا گیا یہ ایوارڈ اخلاق الرحمٰن قدوائی گورنر، بہار رام ولاس پاسوان، ڈاکٹر شکیل احمد، محمد علی اشرف فاطمی اور آئی او ایس کے قائم مقام چیئر مین ڈاکٹر منظور عالم کے ہاتھوں پیش کیا گیا۔

(۳) دہرہ دون میں سیرت النبی کمیٹی کی جانب سے پروفٹ محمدؐ میسیج فار ہیومنیٹی کے عنوان پر پروگرام منعقد کیا گیا جس میں آپ بھی بحیثیت خطیب مدعو تھے۔ آپ نے اس موقع پر سامعین کے سامنے نبی کریمؐ کے پیغام کو اتنے آسان انداز میں رکھا کہ لوگ عش عش کرنے لگے۔ کمیٹی کے ارکان کی جانب سے آپ کی تقریر سے متاثر ہوکر ڈاکٹر فاروق صاحب (ہمالیہ ڈرگس) کے ہاتھوں بہترین مقرر کا خطاب عطا کیا گیا۔

ان اعزاز و اکرام کے علاوہ اور بھی ایوارڈ۔ دیگر ملی و سماجی تنظیموں کی جانب سے آپ کی خدمت میں پیش کیے گئے جو اس امر کی دلالت کرتے ہیں کہ حضرت امیر شریعت کی خدمات کی سمت ہمہ جہت ہے۔

حضرت امیر شریعت کی ہمہ جہت خدمات کا دائرہ بہت ہی وسیع ہے جس کے احاطہ کے لئے یہ مضمون ناکافی ہے۔ حضرت امیر شریعت کی جہد مسلسل اور بے لوث دینی و ملی خدمات سے عوام و خواص کو روشناس کرانے کے لئے راقم الحروف نے 'باتیں میر کارواں' کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی ہے۔ خوشی و مسرت کا مقام ہے کہ بہت کم وقت میں اس کتاب کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس مقبولیت میں حضرت کی ذات کا مکمل دخل ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت امیر شریعت کی
خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور ان کے
درجات بلند فرمائے۔ (آمین)۔

❀ ❀ ❀

ایک چراغ اور بجھا

مولانا عبدالمتین منیری

مولانا سید نظام الدینؒ

17/ اکتوبر 2015 کی شام کو خبر آئی کی حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انتقال کے وقت مولانا ملت اسلامیہ ہندیہ سے وابستہ اہم اور باوقار ذمہ داریوں اور امیر شریعت امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ اور جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ جیسے کئی ایک معزز عہدوں پر فائز تھے۔ وفات کے وقت ان کی عمر 88 سال تھی۔ آپ کی ولادت مورخہ 31 مارچ 1927ء محلہ پرانی جیل، گیا بہار میں ہوئی تھی۔ مولانا کی رحلت کے ساتھ امت مسلمہ ایک سلجھے ہوئے، پرہیزگار، بردبار اور امانت دار قائد سے اس وقت محروم ہوگئی جب کہ آپ جیسی قیادت کی ملت کو پہلے سے زیادہ ضرورت تھی۔

مولانا کے والد ماجد قاضی سید حسین صاحب ایک جید عالم دین، اور علامہ انور شاہ کشمیری کے شاگردوں میں تھے۔ آپ کی والدہ کی وفات 1930ء میں اس وقت ہوئی جب آپ نے ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا، ابھی آپ کی عمر دودھ پینے کی تھی، چار سال کی عمر ہوئی تو 1931ء میں بسم اللہ خوانی سے آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا، اور گھریلو تعلیم ختم کرنے کے بعد 1941ء میں بہار کی مشہور دینی درسگاہ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں آپ کا داخلہ ہوا۔ ابھی عمر پندرھویں سال میں تھی کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ جس کے ایک سال بعد 1942ء میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ علیہ، مولانا اصغر حسین، وغیرہ اساطین علم سے کسب فیض کیا، جون 1942ء میں آپ کو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ علیہ سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ 1946ء میں آپ کی فراغت ہوئی اور آپ نے شیخ الادب مولانا اعزاز علی کے زیر سایہ 1946ء میں تخصص فی الادب کی تکمیل کی۔

فراغت کے بعد آپ ریاض العلوم ساٹھی چمپارن میں تدریس سے وابستہ ہوگئے، جہاں آپ نے 1948 سے 1962ء تک بحیثیت صدر مدرس خدمات انجام دیں۔ 31 مارچ 1950ء کو آپ رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئے۔

امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے تیسرے امیر مولانا ابو المحاسن سجاد صاحب کے انتقال کے بعد جب امارت جمود اور انتشار سے دوچار ہوگئی تھی تو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اور دیگر اکابر کے اصرار پر مولانا منت اللہ رحمانی صاحبؒ نے امیر شریعت کا منصب قبول کیا، جس کے بعد آپ نے 1957ء میں مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحب کو قاضی شریعت کے جلیل القدر عہدے پر فائز کیا، قاضی صاحب اس وقت نئے نئے دیوبند سے فارغ ہوکر آئے تھے اور عمر کے پچیسویں سال میں ابھی داخل نہیں ہوئے تھے۔ 1958ء میں مولانا سید نظام الدین صاحب کی امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کے قائم کردہ ادارے میں آمد ہوئی اور یہیں پہلی مرتبہ حضرت امیر

شریعت اور مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب سے آپکی ملاقات ہوئی۔1960ء میں جامعہ رحمانیہ میں آپ کی دوبارہ آمد ہوئی اور 1963ء۔ 1964ء میں آپ نے مدرسہ رشید العلوم چترا میں صدر مدرس کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ اس دوران قاضی صاحب سے آپ کا ربط وضبط بڑھا۔ جو 4/اپریل 2002ء میں قاضی صاحب کی رحلت تک اس طرح قائم رہا جیسے دو جان ایک قالب ہوں، اللہ تعالی نے ان دونوں کی رفاقت میں امت اسلامیہ ہندیہ کے بڑے بڑے کام لئے۔

1965ء میں قاضی صاحب کے مسلسل اصرار پر آپ نے ناظم امارت شرعیہ کی حیثیت سے ذمہ داریاں سنبھالیں، 19 مارچ 1991ء کو امیر شریعت مولانا رحمانی کی رحلت کے بعد جب مولانا عبدالرحمٰن صاحب امیر شریعت بنے تو آپ کا بحیثیت نائب امیر شریعت انتخاب عمل میں آیا۔ جن کی رحلت کے بعد آپ کو امیر شریعت بہار واڑیسہ منتخب کیا گیا۔

قاضی اور ناظم کی جوڑی نے امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کی زیر سرپرستی امارت شرعیہ کو اعتبار بخشنے اور اسے اوپر اٹھانے کی انتھک کوششیں کیں، ان حضرات کی قربانیوں سے یہ ادارہ ایک کمرہ سے اٹھ کر ملک کا معتبر ترین ادارہ بن گیا، اس کی عالیشان عمارت کھڑی ہوئی اور اس کے ماتحت کئی ایک ادارے قائم ہوئے جس نے مسلمانان بہار کی ترقی میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

مولانا سید نظام الدین صاحب مرنجان مرنج بزرگ تھے، انہیں سب کو ساتھ لے کر چلنے کا ہنر آتا تھا، ساتھ ہی ساتھ نہایت ہی امانت دار اور دیانت دار تھے۔ آخری سانس تک امارت کی مالیات کا نظام اپنے ہاتھ میں رکھا، جس کی وجہ سے چالیس سال پر محیط طویل عرصہ میں مالیات کے کسی تنازعہ نے امارت شرعیہ کو میلا ہونے نہیں دیا۔ قاضی و ناظم میں افہام وتفہیم کی روح کارفرما تھی، لہذا ان کے تعلقات میں انا کی خلیج کبھی آڑے نہیں آئی، انہوں نے ملت کے مفاد کو ہمیشہ ہر مفاد سے بلند رکھا، اور جس ادارے کی بارآوری کے لئے انہوں نے اپنا خون خشک کیا تھا، اس پر آنچ نہ آنے دی، ایسی رفاقت کی مثال شاذ ونادر ہی ملے گی۔

اس کی کا اندازہ اس بات سے آپ لگا سکتے ہیں کہ مولانا سید نظام الدین صاحب کو امارت شرعیہ میں لانے والے قاضی صاحب تھے، آپ بھی معاملہ فہمی اور ماہرانہ صلاحیت میں اپنی مثال آپ تھے، جب تک زندہ رہے فقہی گتھیاں سلجھانے میں کم ہی لوگ ان کی برابری کرسکے۔ ایک بڑا حلقہ مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کی رحلت کے بعد آپ کو امیر شریعت کے منصب کا سب سے زیادہ حقدار سمجھتا تھا، لیکن کسی تنازعہ سے بچتے ہوئے آپ نے مولانا سید نظام الدین صاحب کو نائب امیر شریعت منتخب کیا آیا، اس انتخاب سے ان حضرات کے تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا، امارت شرعیہ کے امور بھی حسب سابق چلتے رہے، کیونکہ عملا انہی دو حضرات کے ہاتھوں میں امارت شرعیہ کی باگ ڈور تھی، پھر یکم نومبر 1998ء کو امیر شریعت پنجم کی رحلت کے بعد آپ کو امیر شریعت منتخب کیا گیا اور قاضی صاحب آپ کے نائب بن گئے۔

28/دسمبر 1972ء کو ممبئی میں کل ہند مسلم پرسنل لا کنونشن بھٹکل کے جناب عبدالقادر کی کنوینر شپ میں منعقد ہوا، کنونشن کی تحریک پر 8/اپریل 1973ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام عمل میں آیا، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ

اللہ علیہ اس کے اولین صدر منتخب ہوئے اور امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی رحمہ اللہ علیہ اس کے جنرل سکریٹری، بورڈ کے روز اول سے آپ نے قاضی صاحب کے ساتھ امیر شریعت کا سایہ بن کر خدمات انجام دیں، اور بورڈ کے مقاصد کے حصول اور اسے کامیاب کرنے کے لئے امکان بھر اپنی بھرپور صلاحیتیں صرف کیں۔ لہذا امیر شریعت مولانا رحمانی کے انتقال کے بعد آپ کا مئی 1991ء میں بورڈ کا جنرل سکریٹری کی حیثیت سے انتخاب عمل میں آیا۔ ان چوبیس سالوں کے دوران جو بحران اٹھے، جن مسائل و مشکلات سے امت اسلامیہ ہندیہ دوچار ہوئی، بورڈ کو توڑنے اور کمزور کرنے کی جتنی سازشیں ہوئیں، مولانا نے کمال حکمت اور دانائی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور بورڈ کی لڑی کو پروئے رکھنے کی کامیاب کوششیں کیں۔

مولانا نے کبھی عہدوں کا پیچھا نہیں کیا، عہدے ان کے پیچھے بھاگتے رہے، 31 دسمبر 2000ء میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب کی رحلت کے بعد جب مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمہ اللہ علیہ بورڈ کے صدر منتخب ہوئے تو ایک موقعہ ایسا آیا جب کہ بورڈ کے صدر اور جنرل سکریٹری دونوں کلیدی عہدوں پر امارت شرعیہ کے عہدیدار، امیر شریعت اور نائب امیر منتخب ہوئے، چونکہ بورڈ ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی نمائندگی کرتا ہے، لہذا آپ کو احساس ہوا کہ ایک ہی حلقے سے کلیدی عہدیداران کا انتخاب بورڈ کی روح کے منافی ہے، لیکن قاضی صاحب کے اصرار اور ممبران کی خواہش پر مولانا اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔ 4/اپریل 2002ء میں قاضی صاحب کی رحلت تک چند سال صورت حال یہ رہی کہ امارت شرعیہ میں مولانا امیر شریعت تھے تو قاضی صاحب نائب امیر، اور پرسنل لا بورڈ میں قاضی صاحب صدر تھے تو مولانا جنرل سکریٹری، اس طرح معاملات میں شخصیت کے ساتھ منصب کا احترام دوسری جگہ مشکل سے نظر آئے گا۔

مولانا نے قاضی صاحب کے رفاقت میں جن اداروں کے قیام میں حصہ لیا، ان میں نومبر 1988ء میں سجاد اسپتال کا قیام، اور اپریل 1989ء میں اسلامی فقہ اکیڈمی کا قیام، مئی 1996ء میں وفاق المدارس کا قیام، 1998ء میں المعهد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء کی تاسیس بھی بہت اہم ہے۔ آپ 1996ء سے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو، اور 1997ء سے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری رہے۔ مولانا نے جن شخصیات کے ساتھ کام کیا انہیں اپنا گرویدہ بنایا۔ بورڈ کے موجودہ صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے ساتھ بھی آپ کی خوب جمی، ان دونوں کے رجحانات اور فکری انداز اور تحمل اور براشت کی قوت نے امت کو بہت سہارا دیا، یہ کہنا مشکل ہے کہ مولانا کا داغ مفارقت مولانا سید محمد رابع صاحب کے لئے کتنا بڑا ذاتی نقصان ہے۔

مولانا نے عمر طبعی پائی، باوجود اس کے آپ کا جدا ہونا ملت اسلامیہ ہندیہ کیلئے ایک عظیم خسارہ ہے، جس کی تلافی مشکل ہی سے ہو سکے گی۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ مولانا نے اپنی زندگی میں اپنے اخلاق، مروت، صلاحیت، للّٰہیت اور قربانی کے جو چراغ جلائے تھے، ان کی لو کبھی نہ بجھے، چراغ سے چراغ جلتے رہیں، اسی میں امت کی بھلائی ہے، یہی ان کے درجات بلند سے بلند کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

مفکر، مدبر اور عظیم قائد مولانا سید نظام الدین کی رحلت

...اور اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

..........................● نوراللہ جاوید

ایک ایسے وقت میں جب کہ ہر قدم معرکۂ کرب وبلا پیش ہے امت فکری وعلمی انتشار میں مبتلا ہے، فرقہ پرستی ومسلکی عصبیت نے امت کے شیرازے کو بکھیر کر رکھ دیا ہے اور ملی قیادت کے منصب پر فائز قائدین خودنمائی، خودپرستی میں مبتلا ہیں اور مسلم ادارے آپسی گروہ بندی، اور اختلافات کی وجہ سے شکست وریخت کے شکار ہیں۔ ان حالات میں مسلکی عصبیت اور خودنمائی وخود پرستی سے اوپر اٹھ کر ملت کی شیرازہ بندی، سرخروئی، اتحاد اور عظمت رفتہ کی بحالی کیلئے خود کو وقف کردینے والا عظیم قائد، مفکر اور مدبر حضرت امیر شریعت مولانا سید نظام الدینؒ کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا کسی قومی سانحہ سے کم نہیں ہے، ان کے جانے کی کسک اور کمی صرف چند ادارے جس کے وہ سربراہ یا قائد تھے محسوس نہیں کریں گے، بلکہ پوری ملت اسلامیہ کو ان کی کمی کھلے گی اور ان کی بھرپائی اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ بقول شاعر

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز

حضرت امیر شریعت کی موت کوئی ناگہانی نہیں ہے، ان کی علالت اور طبیعت میں بہتری نہیں ہونے کی وجہ سے یہ خدشہ تھا، عمر کے جس حصے اور جن بیماریوں میں وہ مبتلا تھے وہاں سے واپسی کا امکان بہت ہی کم ہوتا ہے۔ ایسے بھی موت زندگی کی ایک حقیقت ہے، انسان کی ہستی مثل شمع ہے جو کبھی روشن ہوتی ہے اور کبھی بجھ جاتی ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

حیات انساں ہے شمع کی صورت، ابھی ہے روشن ابھی فسردہ
نہ جانے کتنے چراغ یوں ہی جلا کریں گے، بجھا کریں گے

حضرت امیر شریعت بھی اسی دنیا کے باشی تھے انہیں بھی ایک نہ ایک دن اس دنیا سے جانا تھا۔ ہاں ان کی فعال، متحرک اور سرگرم شخصیت کی وجہ سے دلی تمنا تھی کہ ایسے مخلص قائدین کی ملت کو ابھی ضرورت باقی ہے، ان کی موجودگی ملت کی بقاء کی علامت تھی۔ وہ محو سفر تھے، نرم دم گفتگو گرم دم جستجو تھے، مگر کیا کیا جائے موت کا وقت متعین ہے ہماری تمنائیں، خواہشیں کسی کی موت کو نہیں ٹال سکتی ہیں۔ اگر خواہش اور ضرورت کی بنیاد پر کسی کی موت ٹل سکتی تھی وہ آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی، کیوں کہ اس دنیا کو تاابد محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت محسوس ہوتی رہے گی۔

اس حقیقت کے باوجود سماجی ویب سائٹوں کے ذریعہ جب امیر شریعت کے انتقال کی خبر ملی تو دل دھک سے رہ

گیا ،وفورغم سے ایسا محسوس ہونے لگا کہ پوری ملت کا سرمایہ حیات لوٹ لیا گیا ہے، کیوں کہ وہ پہاڑوں کے مانند بلند اوراٹل تھے، اعلیٰ اخلاق ،تہذیبی وضعداری کے پرکشش مجسمہ تھے۔نرم دم گفتگو گرم دم جستجو، جہد مسلسل کے ذریعہ پژمردہ دلوں میں روح پھونک دیے والے تھے ۔ بے لوثی ، بے غرضی، الو العزمی و بردباری کے روشن مینار تھے۔ان کی شخصیت پیش قیمت سرمائے کی حیثیت اختیار کرگئی تھی ۔وہ ملت اسلامیہ ہند یہ کیلئے اتحاد امت کے بلند ستون تھے، بلکہ حضرت امیر شریعت کی دلنواز شخصیت یقین محکم،عمل پیہم ،محبت فاتح عالم کا حسین مجموعہ تھی۔

بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی

میرے فکر وشعور کی عمر کوئی بہت زیادہ نہیں ہے، ابھی تین دہائی بھی مکمل نہیں ہوئی ہے، مگر صحافت سے وابستہ ہونے کی وجہ سے کئی نامور شخصیتوں کو قریب سے دیکھنے اوران کے نظریات وفکر کو سننے اور سمجھنے کا موقع ملا۔امیر شریعتؒ کی شخصیت بھی انہی لوگوں میں سے ایک تھی۔اگر میں یہ کہوں تو زیادہ صحیح ہے کہ صحافت کے حوالہ سے جن شخصیتوں سے تعارف اور قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے ان میں امیر شریعت مولانا سید نظام الدین کی شخصیت سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز ہے۔ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر میں صحافت سے وابستہ نہیں ہوتا تو مجھے امیر شریعت کو اتنے قریب سے جاننے کی سعادت نصیب نہیں ہوتی۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص بہترین مقرر و بہترین منتظم کار رہوتا ہے، وہ میڈیا کے تیکھے سوالوں کے سامنے جھنجھلاہٹ کا شکار ہوجاتا ہے اوراپنا توازن کھوبیٹھتا ہے جس کا فائدہ میڈیا کو مل جاتا ہے اور وہ بین السطور پڑھ کر خبر کو اپنی مرضی کے مطابق موڑ دیتا ہے اور صحیح موقف پس پشت چلا جاتا ہے ۔گزشتہ 12 سالوں کے دوران کئی حساس موضوع پر پریس کانفرنس یا پھر نجی ملاقاتوں میں امیر شریعت سے سوال پوچھنے اور اعتراض کرنے کا موقع ملا ،حضرت امیر شریعت ذاتی واہ واہی یا پھر محض اخبارات کے سرورق کی زینت بننے سے بے نیاز ہرسوالوں کا جواب سنجیدگی ومتانت، خوداعتمادی اورواضح موقف کے ساتھ اس طرح دیتے تھے کہ سامنے والا نہ صرف مطمئن ہوجاتا تھا، بلکہ اس کے ہر شکوک وشبہات رفع ودفع ہوجاتے تھے۔کسی بھی سوال کے جواب میں میڈیا اہلکاروں کیلئے شرانگیزی کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔کیوں کہ میڈیا اہلکار اکثر بین السطور کا حوالہ دے کر بیانات کو توڑ مروڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے مقصد فوت ہوجاتا ہے اورایک نیا تنازع سامنے آجاتا ہے۔

مثل خورشید سحر، فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزادہ، معانی میں دقیق

امیر شریعت رابع مولانا سید محمد منت اللہ رحمانیؒ جو نہ صرف ایک جلیل القدر عالم دین تھے، بلکہ وہ ایسے قائد تھے جنہیں اللہ نے رجال سازی کا ملکہ عطا کیا تھا وہ رجال ساز ور جال شناس تھے۔مولانا سید محمد نظام الدین بھی مولانا رحمانیؒ کے حسن انتخاب ہیں۔انھوں نے مولانا نظام الدین کو امارت شرعیہ کے نظامت کیلئے منتخب کیا۔گزشتہ پانچ دہائیوں میں امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ کی ہمہ جہت ترقی، دائرہ کار میں توسیع ملک بھر میں دارالقضاء کا قیام، قدرتی آفات اور فرقہ وارانہ فسادات کے

موقعوں پر متاثرین ومظلوموں کی داد رسی کیلئے پہل اور بڑے پیمانہ پر ریلیف کی تقسیم، مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کے خاتمہ کیلئے مکاتب اور عصری تکنیکی اداروں کا قیام اور سب سے اہم نکتہ کہ امارت شرعیہ پھلواری شریف کو ہندی مسلمانوں کے باوقار اور ممتاز ادار کا درجہ دلانے میں حضرت امیر شریعتؒ اور ان کے رفقاء کار بالخصوص قاضی القضاۃ مسلم پرسنل لا بورڈ کے سابق صدر قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کے مخلصانہ اشتراک وعمل اور تعاون کا بہت اہم رول رہا ہے۔ امارت شرعیہ پھلواری شریف صرف فتاویٰ وقضاء کے حوالہ سے ہی نہیں معتبر ہے، بلکہ مصیبت کے ہر لمحوں میں مسلمانان ہند بالخصوص بہار کے مسلمانوں کے زخم کا مداوا بن کر سامنے آتا ہے جب کوئی مصیبت اور آفت آتی ہے تو نگاہیں امارت شرعیہ پھلواری شریف کی طرف اٹھتی ہیں اور اس کی ہدایتوں اور لائحہ عمل کا انتظار کرتی ہیں۔

ملی وقومی زندگی میں ہر لمحے بے وحساب و بے رحم ناہمواریاں، حالات کی سنگدلیاں، وقت کی بے التفاتیاں اور اپنوں کی دغابازیاں، بلکہ مہم کو کمزور کرنے کی کوششیں کوئی نئی بات نہیں ہے، قیادت کے فرائض کو انجام دینے والی شخصیتوں کو ان لمحوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے، ان حالات کا مقابلہ کیے بغیر کوئی عظیم قائد نہیں بنتا ہے۔ بلکہ ایسے لمحوں میں قائد کی ذہنی فراست، بصیرت اور علم وآگہی کا سب سے زیادہ امتحان ہوتا ہے کہ قائد حالات کا پامردی سے مقابلہ کرتا ہے یا پھر مخالفتوں کے ہجوم میں گھبرا کر ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ تاریخ کے صفحات ان شخصیتوں کے تذکروں سے خالی ہیں جو حالات سے گھبرا کر ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور اپنے دامن میں داغ نہ لگے اس خوف سے گوشہ نشینی اختیار کر لیتے ہیں، بلکہ تاریخ ان عظیم شخصیتوں کے کارناموں سے مزین ہے جنہوں نے حالات کا پامردی سے مقابلہ اور مخالفتوں کے ہجوم میں چل کر وقت کی دھارا اور ہوا کے رخ کو بدل کر حالات کو موافق بنالیا۔ حضرت امیر شریعت مولانا سید نظام الدینؒ کی نصف صدی پر محیط ملی وقومی زندگی اس بات کی گواہ ہے جب جب حالات کی سنگدلیاں اور بے حساب و بے رحم ناہمواریاں ان کے صبر وعزیمت سے ٹکرانے کی کوشش کی ہے تو وہ پاش پاش ہوگئی۔ حوصلہ شکن حالات کا بیدار مغزی، خود ارادی وخود اعتمادی

> حضرت امیر شریعت مولانا سید نظام الدینؒ کی نصف صدی پر محیط ملی وقومی زندگی اس بات کی گواہ ہے جب جب حالات کی سنگدلیاں اور بے حساب و بے رحم ناہمواریاں ان کے صبر وعزیمت سے ٹکرانے کی کوشش کی ہے تو وہ پاش پاش ہوگئی۔ حوصلہ شکن حالات کا بیدار مغزی، خود ارادی و خود اعتمادی کے ذریعہ جس طرح انہوں نے مقابلہ کیا۔ امارت شرعیہ پھلواری شریف اور مسلم پرسنل لا بورڈ کو اپنے مقاصد وعزائم کی تکمیل کی راہ پر گامزن رکھا وہ تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے۔

کے ذریعہ جس طرح انہوں نے مقابلہ کیا، امارت شرعیہ پھلواری شریف اور مسلم پرسنل لا بورڈ کو اپنے مقاصد وعزائم کی تکمیل کی راہ پر گامزن رکھا وہ تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے، مستقبل کا مورخ جب بھی ان اداروں کی شاندار روایات اور اس کے کارہائے نمایاں کو قلم بند کرے گا تو وہ امیر شریعت کی، غیر معمولی فعالیت، ذہانت، قائدانہ لیاقت، یقین محکم، عمل پیہم اور جہد مسلسل کو نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ کیوں کہ امیر شریعت مولانا سید محمد نظام الدین نے گزشتہ پچاس سالوں سے جس احتیاط، حاضر دماغی اور مومنانہ بصیرت سے امارت شرعیہ پھلواری شریف کے گیسو بر ہم کو سنوارا ہے وہ اپنے آپ میں مستقل ایک تاریخ ہے، بلکہ یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ امارت شرعیہ پھلواری شریف ان کے نام کا عنوان اور ان کی زندگی کا حصہ بن چکا تھا جو جسد خاکی سے روح نکل جانے کے بعد ہی ختم ہوا۔ ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے ایک شخص کی پوری زندگی اور اس کے سوچ وفکر کا دائرہ صرف ایک نکتہ پر جاکر مرکوز ہو جائے۔ امارت شرعیہ پھلواری شریف کے بانیوں کے اخلاص کا ہی نتیجہ ہے کہ اسے مولانا سید محمد نظام الدین صاحب جیسا عالی دماغ و بابصیرت اور مومنانہ خصوصیات کا حامل قائد ملا۔ جس کی زندگی کی ہر سانسیں امارت کی فلاح و بہبود اور ترقی کی تڑپ اور امارت کے وقار وعظمت کی بحالی اور ملت اسلامیہ کیلئے فکر مندی کے ساتھ چلتی رہیں۔ ان کے بغیر امارت شرعیہ کا تصور کرنے سے بھی دل گھبراتا ہے۔ امارت کے در و بام اور چہل پہل یونہی باقی رہیں گی مگر وہ روحانی وعرفانی کرنیں جس سے گوشہ گوشہ منور تھا، جس کی موجودگی ہی عظمت و رفعت کی علامت تھی وہ شاید دوبارہ محسوس نہ ہو۔

تیرے بغیر رونق دیوار و در کہاں
شام وسحر کا نام ہے، شام وسحر کہاں
عرصہ ہوا کہ رسم محبت بدل گئی
دامن سے اب معاملہ چشم تر کہاں

مسلم پرسنل لا بورڈ کے اسٹیج سے حضرت امیر شریعت کی خدمات ایک مستقبل باب ہے، امارت شرعیہ کی طرح مسلم پرسنل لا بورڈ میں جنرل سکریٹری کا عہدہ انہیں اپنے مربی و مشفق قائد مولانا سید منت اللہ رحمانی کی وراثت میں ملا۔ مارچ 1991 میں حضرت مونگیریؒ کے انتقال کے بعد بورڈ کے جنرل سکریٹری کے عہدہ کیلئے اس وقت کے بورڈ کے صدر عالم ربانی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کی نگاہ انتخاب مولانا سید محمد نظام الدین پر جاکر ٹھہر گئی۔ کیوں کہ مولانا علی میاں ندویؒ کو یقین تھا کہ مولانا نظام الدین سے بڑھ کر مولانا رحمانی کی وراثت کو آگے بڑھانے اور بورڈ کی ذمہ داری کو پوری فعالیت ساتھ کوئی اور شخص کما حقہ ادا نہیں کر سکتا ہے جتنا مولانا سید محمد نظام الدین کر سکتے ہیں۔ مسلم پرسنل لا بورڈ میں جنرل سکریٹری کا عہدہ سب سے اہم ہے، گرچہ عہدہ کے اعتبار سے صدر کو اولیت اور فوقیت حاصل ہے، مگر جنرل سکریٹری ہی بورڈ کو فعال اور اپنے مقاصد کیلئے گامزن کرنے میں کلیدی رول ادا کرتا ہے۔ سکریٹریوں کے ساتھ تال میل، مختلف شعبوں کی نگرانی، بورڈ کی مالی استحکام اور عدالتی فیصلوں کا تجزیہ یہ سب جنرل سکریٹری کے دائرہ کار میں آتا ہے۔ ان تمام مرحلوں میں حضرت

امیر شریعت فکر وعمل کے پیکر بن کر کامران وکامیاب ثابت ہوئے ،اگر بورڈ آج ملت اسلامیہ کا سب سے معتبر اور باوقار ادارہ ہے تو اس میں حضرت امیر شریعت کی مخلصانہ اور مومنانہ قیادت کا اہم رول ہے۔غلطیاں کس سے نہیں ہوتی ہیں ،ممکن ہے کہ کمزوری اور عمر کی وجہ سے بورڈ کی سرگرمیاں کچھ متاثر ہوگئی ہوں مگر یہ بات اللہ کو گواہ بنا کر کہی جاسکتی ہے کہ انہوں نے کبھی بھی بورڈ کے مفادات سے سودا نہیں کیا اور نہ ہی بورڈ کی عظمت کو داغ دار ہونے دیا، بلکہ ان کا دامن بہنے والے دریاؤں کی طرح شفاف اور طوفان آشنا تھا اور انھوں نے اپنی اجلی شخصیت کا لازوال نقش جریدہ عالم پر چھوڑا ہے۔

2008 میں کلکتہ میں منعقدہ آل انڈیا مسلم پرسنل بورڈ کے اجلاس کی پوری کارروائیوں کو میں نے صرف ایک صحافی کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ایک کارکن کی حیثیت سے دیکھا اور شامل رہا۔اجلاس کی تیاریوں سے لے کر انعقاد تک کئی مرحلوں میں مخالفین اور فتنہ سازوں نے اجلاس کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی ،مسلکی گروہ بندی کے نام پر بورڈ کی عظمت ورفعت پر سوالیہ نشان لگا کر مسلم پرسنل لا بورڈ کی حیثیت کو مشکوک اور مختلف فیہ بنانے کی کوشش کی مگر ہر موڑ پر حضرت امیر شریعت نے سامنے کر آکر فتنوں کی اس انداز سے سرکوبی کی کہ مخالفین بھی گرویدہ ہوگئے اور ان کے کارواں میں شامل ہوگئے۔حد اس وقت پار ہوگئی جب ممبران کی میٹنگ میں ایک گروپ نے ہنگامہ آرائی شروع کی، بورڈ کی قیادت کو بوڑھی اور فرسودہ قرار دے کر تبدیلی کا نعرہ بلند ہونے لگا مگر اس لمحہ بھی ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں ہوئی اور پورے صبر واستقامت کے ساتھ مخالفین کے ہر سوال کا جواب دیا اور بورڈ کو فتنوں سے بچانے کے ساتھ ساتھ کلکتہ اجلاس کے پیغام اور روح کو مجروح نہیں ہونے دیا گیا۔بقول جگر مرادآبادی:

زندگی میں آگیا جب ،کوئی وقت امتحاں
اس نے دیکھا ہے جگر ، بے اختیارانہ مجھے

بلاشبہ کسی کے آنے اور جانے سے کارخانہ حیات کو فرق نہیں پڑتا ،ایک لمحہ کیلئے کائنات کی سرگرمیوں میں فرق نہیں پڑتا مگر کچھ شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے جانے کے اثرات کافی دنوں تک محسوس کیے جاتے ہیں اور اس کا تدارک اور اس کی وراثت کو سنبھالنا ایک بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔حضرت امیر شریعت کے اس دنیا فانی سے رخصت ہوجانے کے بعد بھی مسلم پرسنل لا بورا اور امارت شرعیہ ملت اسلامیہ ہند کے دل کی آواز اور تمناؤں کا مرکز بنا رہے گا۔ضرورت اس بات کی ہے امیر شریعت نے جس دیانت داری ،لگن اور انہماک و بے لوثی کے ساتھ اکابرین کی امانت کو آگے بڑھایا ہے،اس کو باقی رکھا جائے۔ان کے خالی کردہ عہدے کیلئے شخصیتوں کا انتخاب ایک بڑی امانت و ذمہ داری ہے۔لمحہ کی غلطیوں کی سزا مدتوں بھگتنی پڑتی ہے۔یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ فکری ونظری اختلافات سے گریز ممکن نہیں مگر جب شخصیت آڑے آجائے تو ادارے اجڑ جاتے ہیں اور اس کی عظمت ورفعت کم ہوجاتی ہے۔

❁ ❁ ❁

حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ

محمد وقارالدین لطیفی ندوی

بحیثیت جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لابورڈ کی خدمات کا مختصر جائزہ

● امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب کا نام محتاج تعارف نہیں، آپ ایک علمی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، آپ کی ولادت ۳۱/مارچ ۱۹۲۷ء کو اپنے وطن میں ہوئی۔ آپ کے والد مولانا سید حسین صاحب مرحوم تھے، آپ کا وطن گھوری گھاٹ ضلع گیا جو اب جھارکھنڈ کی علیحدگی کے بعد ضلع چترا کے تحت آتا ہے، آپ کا بچپن وطن میں ہی گزرا۔ تعلیم کی ابتدا آپ نے اپنے والد بزرگوار سے ہی کی اور ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی۔ اس کے بعد ۱۹۴۱ء میں بعمر چودہ ساڑھے چودہ سال میں آپ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ تشریف لے گئے جہاں آپ نے پورے ایک سال تعلیم حاصل کی، پھر ۱۹۴۲ء میں اعلیٰ تعلیم کی غرض سے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، جہاں سے آپ نے ۱۹۴۷ء میں دورۂ حدیث مکمل کیا۔ دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے تدریس کی لائن اختیار کی اور سب سے پہلے بحیثیت صدر مدرس مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی چمپارن بہار میں ۱۹۴۹ء تا ۱۹۶۲ء چودہ سالوں تک تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، پھر آپ مدرسہ رشید العلوم چترا آگئے اور یہاں ۱۹۶۳-۶۴ء یعنی دو سال تک رہے، امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی نور اللہ مرقدہٗ کی دوربین نگاہ نے آپ کے اندر چھپے جوہر کو پہچان لیا اور پھر کیا تھا آپ کو امارت کے لئے منتخب کرلیا، چنانچہ ۱۹۶۵ء میں آپ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ امیر شریعت رابعؒ کے حکم کی تعمیل میں بحیثیت ناظم مقرر ہوئے، اس کے بعد ۱۹۹۱ء میں حضرت امیر شریعت رابع مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانی صاحبؒ کے وصال کے بعد اتفاق رائے سے مسلم پرسنل لابورڈ کا آپ کو جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا، اس عہدہ جلیلہ پر تادم حیات فائز رہے، اور حضرت امیر شریعت رابعؒ کی وفات کے بعد آپ نائب امیر بھی منتخب ہوئے پھر حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ امیر شریعت خامس کی وفات کے بعد ۱۹۹۸ء میں آپ امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ کے امیر شریعت منتخب ہوئے۔ آپ ایک اچھے اور کہنہ مشق شاعر بھی تھے، اور خالص ادبی وعلمی شاعری آپ نے کی، لیکن کبھی آپ نے اس کو پیشہ نہ بنایا، جامعہ رحمانی مونگیر کا ترانہ آپ کی شاعری کا آئینہ ہے۔ آپ کے اندر بلا کی انتظامی صلاحیت اور مختلف مسالک ومشارب کے لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ قوت برداشت اللہ نے بڑی غضب کی عطا فرمائی تھی۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ آپ اپنے اساتذہ اور مربیوں کے گذرجانے کے بعد ان کے پورے خاندان کے اکرام وتعظیم میں کوئی کسر نہ چھوڑتے اور انتہائی مسرت کے ساتھ فرماتے کہ یہ میرے فلاں استاد، مربی اور مرشد کے خانوادے سے ہیں اس لئے میرا اخلاقی فریضہ ہے کہ میں اس رشتہ کا لحاظ رکھوں، آپ کا یہ معمول اپنے آپ میں بے حد

گہرائی اور گیرائی رکھتا ہے اور ہم سب کے لئے کھلا سبق بھی ہے اور انشاء اللہ یہ عمل بھی حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ کی اخروی زندگی کا زادراہ بنے گا۔

آپ اپنے محبوب ترین استاد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے اور حضرت مدنیؒ آپ کے مرشد بھی تھے، آپ بہار، اڑیسہ اور جھارکھنڈ کے امیر شریعت، مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے رکن، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس منتظمہ کے رکن اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے سرپرست کے ساتھ ساتھ کئی اداروں کے ذمہ دار و سرپرست تھے۔

حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ کی شخصیت کا سب سے نمایاں حصہ ان کا حسن انتظام تھا، پیرانہ سالی، بیماری و اعذاری کے باوجود انتظامی معاملات میں کہیں بھی ضعف و اضمحلال کا احساس نہیں ہونے دیتے، مئی ۲۰۰۱ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے سابق صدر حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی صاحبؒ کے حکم پر جب یہ خاکسار مسلم پرسنل لا بورڈ کے مرکزی دفتر میں بحیثیت آفس سکریٹری مقرر ہوا تو حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب دامت برکاتہم سے دفتری معاملات پر گفتگو، ملاقات اور رابطہ کا سلسلہ تا حیات جاری رہا اور الحمد للہ ان کو بہت قریب سے ایک طویل عرصہ تک دیکھنے اور سیکھنے کے ساتھ ساتھ محض اللہ کی توفیق سے ان کی سرپرستی میں کام کرنے کا موقع ملا۔ میرے ابتدائی دور کی ایک بات تقریباً پندرہ سالوں کا طویل عرصہ گذرنے کے باوجود آج بھی اچھی طرح یاد ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ تنظیمی اداروں میں کام کرنے کے لئے تین بنیادی چیزیں ہیں اور اس پر سختی سے عمل کرنے والا شخص ضرور کامیاب ہوتا ہے۔

(۱) تشاور (۲) تعاون (۳) توافق

پھر آپ نے ان تینوں کی تفصیل سے وضاحت فرمائی کہ جب کوئی معاملہ یا امور پیش آئے اولاً مشورہ کرو، دوم ایک دوسرے کا تعاون کرو، اور کوئی کام کسی کو دیا جائے تو اس کا انتظار مت کرو کہ وہی کرے گا اگر آپ کو معلوم ہے کہ آپ بہتر طور پر کر سکتے ہیں تو آگے بڑھ کر اس کام کو آپ کریں۔ ان تینوں باتوں پر عمل کرنے سے بڑا فائدہ سب سے پہلے یہ ہوگا کہ کسی کام میں نقصان کا امکان نہیں رہے گا، دوم یہ کہ کارکنان کے مابین محبت بڑھے گی، سوم یہ کہ ایک دوسرے پر اعتماد ہوگا، دوریاں ختم ہوں گی اور نا اتفاقی جو شیطان موقع کی تلاش میں رہتا ہے وہ نہیں ہوں گی، اور کام میں برکت ہوگی اور تجربہ میں اضافہ ہوگا۔

● شخصیت سازی اور خاص کر ملی و جماعتی کام کرنے والوں کے لئے بظاہر یہ تین چھوٹے چھوٹے الفاظ ہیں مگر اس کی گہرائی میں جب آپ جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف تین باتیں ہی نہیں بلکہ اس میدان میں کام کرنے والوں کے لئے بنیادی ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میرے پندرہ سالہ دور میں آج تک مجھے ان کی سرپرستی میں کام کرنے میں کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوئی، میں نے بعض معاملات میں دیکھا کہ ان کے افراد خاندان کا معاملہ تھا اور اصول وضابطے کے خلاف تھا تو انہوں نے انتظامی اصول کو برقرار رکھا، اور دفتری عملہ کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی، یہ کہہ کر کہ تم لوگوں نے اصول کے مطابق کام کیا، حقیقت یہ ہے کہ ان کی سرپرستی میں کبھی کسی قسم کا دباؤ یا جھکاؤ محسوس نہ ہوا،

کاموں کی انجام دہی میں کبھی کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہونے دی یہ آپ کی سب سے بڑی خوبی تھی، عارضہ قلب کے بعد پیرانہ سالی اور ضعف کی وجہ سے جو اس عمر کا حصہ ہوا کرتا ہے، ایک بات کا بار بار ذکر کرنا اور اسکو ذہن پر بیٹھا لینا، نسیان کا غالب آجانا یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود بھی جب ہم دوسروں سے موازنہ کرتے ہیں تو حضرت امیر شریعت سادس بہتر نظر آتے ہیں۔ آج وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں تو ان کی ایک ایک خوبی یاد آرہی ہے اللہ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ اور ان کی مغفرت فرمائے، اور ملت اسلامیہ ہندیہ کو اس کا بدل عطا فرمائے۔ آمین

● ہندوستان کی تاریخ میں اسلام اور تحفظ شریعت کے سلسلہ میں جو کچھ کیا گیا ہے، مسلم پرسنل لا بورڈ اس کا ایک روشن اور تابناک باب ہے جسے مستقبل کا مؤرخ کبھی نظر انداز نہیں کر سکے گا، ملت کے اس ادارہ نے انتہائی پر خطر اور حوصلہ شکن ماحول میں شریعت اسلامی کی پاسبانی کی ایک جرأت مندانہ اور حساس کوششیں کی ہیں اور یہ بورڈ ہندوستانی مسلمانوں کے غیر معمولی بیدار مغزی اور شعور کا شاہکار رہا ہے، اسی تحفظ شریعت کے قافلہ میں جن لوگوں کو شروع سے شریک رہنے اور اس کا حصہ بننے کی سعادت حاصل ہوئی ان میں ایک اہم نام حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب کا بھی ہے، آپ اس قافلہ میں اپنے بزرگوں کے ساتھ شامل رہے، ۱۹۹۱ء میں آپ کے مربی و مشفق بانی مسلم پرسنل لا بورڈ امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ کے وصال کے بعد آپ ۸/مئی ۱۹۹۱ء کی مجلس عاملہ لکھنؤ میں جز وقتی بورڈ کے جنرل سکریٹری بنائے گئے، پھر بورڈ کے انتخابی اجلاس دہلی میں ۲۳/نومبر ۱۹۹۱ء کو آئندہ سہ سالہ میقات کے لئے متفقہ طور پر اس عہدہ کے لئے منتخب کئے گئے اور اس وقت سے وفات تک آپ اس عہدہ پر فائز رہے۔

● جس وقت آپ نے بورڈ کی قیادت سنبھالی ان دنوں رہ رہ کر ملک کی فضا کو زہر آلود کیا جا رہا تھا اور اس کی آڑ میں پورے ملک کے اندر قتل و غارت گری کا بازار گرم کرنا ایک عام سی بات ہوگئی تھی، اور مسجد کی شرعی حیثیت پر شدت کے ساتھ سوال اٹھایا جانے لگا، آپ ہی کے دور میں بورڈ نے تاریخ ساز قرارداد منظور کی کہ ”عرش تا فرش مسجد ہے اور قیامت تک اس کی حیثیت مسجد ہی کے حکم میں رہے گی“ یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ ہی کے دور میں الہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بنچ میں ۱۹۶۱ء سے چل رہے بابری مسجد حقیت کے مقدمہ کو قوم وملت کے اصرار وخواہش پر بورڈ نے اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد نگرانی اور پیروی کی، ہائی کورٹ کے متنازعہ فیصلہ کے بعد بورڈ کی طرف سے ۶/اپیلیں سپریم کورٹ میں داخل کی گئیں اور بورڈ پورے طور پر بابری مسجد کے تمام مقدمات کی پیروی کر رہا ہے، اور بورڈ کے سینئر رکن ومشہور قانون داں جناب یوسف حاتم مچھالا صاحب ایڈوکیٹ کی سربراہی میں ایک کمیٹی اس کو دیکھ رہی ہے، بورڈ کی طرف سے داخل کی گئی اپیلیں بحث وشنوائی کے لئے سپریم کورٹ میں منظور کرلی گئی ہیں لیکن ابھی اس کی شنوائی کا نمبر نہیں آیا ہے جب نمبر آئیگا تو اس سلسلہ میں بنائی گئی بورڈ کی کمیٹی مضبوطی کے ساتھ اپنا کام کریگی، حکومت ہند کی طرف سے اسباب انہدام کی جانچ کے لئے بنائے گئے جسٹس لبراہن کی سربراہی میں لبراہن کمیشن کے سامنے بار بار بورڈ نے پیروی کی اب اس کی رپورٹ بھی کمیشن کی طرف سے حکومت کو پیش کی جا چکی ہے، اور اس کے مطابق بورڈ

ایف آئی آر درج کرنے نیز اس رپورٹ کے مطابق مجرمین پر کارروائی کرنے کے لئے کوششیں کر رہا ہے، اور بابری مسجد کے انہدام کے جرم سے متعلق فوجداری مقدمات میں بورڈ کی مجلس عاملہ کے رکن جناب ظفریاب جیلانی صاحب کی نگرانی میں لکھنؤ و رائے بریلی کی عدالتوں میں پیروی کر رہا ہے۔

● شروع سے بورڈ کے ذمہ داروں کے پیش نظر تھا کہ بورڈ کے دفتر کے لئے کوئی جگہ یا مکان دہلی میں حاصل کیا جائے ، یہ کارنامہ بھی آپ ہی کے دور میں انجام پایا اور بورڈ کے مرکزی دفتر کے لئے مین مارکیٹ اوکھلا گاؤں، نئی دہلی میں تقریباً سوا دو سو گز کا ۵؍کمروں اور میٹنگ ہال پر مشتمل ایک فلیٹ خریدا گیا تا کہ بورڈ کے بڑھتے کاموں کی انجام دہی میں سہولت ہو، اور اس کا مستقل اپنا ایک آفس ہو۔ پھر ۲۰۰۱ء میں صدر بورڈ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحبؒ کی دلچسپی سے بورڈ کے مرکزی دفتر کے اوپر کا نصف حصہ بھی آپ ہی کے دور میں خریدا گیا۔

● یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ برسوں سے کوشاں رہا ہے کہ اوقاف کے قانون میں ایسی ترمیم کرائی جائے جس سے وقف بورڈ کی جمہوری حیثیت نمایاں ہو اور اوقاف کی جائیداد کو قانونی تحفظ حاصل ہو۔ آپ کے دور سے پہلے بھی اس سلسلہ کی مسلسل کوششیں کی گئیں اور آپ کے دور میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا، بزرگوں کے رہنما خطوط پر چل کر آپ نے بھی کوشش جاری رکھی، جس کے نتیجہ میں نیا وقف ایکٹ ۱۹۹۵ء میں بنا۔ جس میں بورڈ کی کئی تجاویز کو شامل کیا گیا۔ اور باقی کے لئے یہ وعدہ کیا گیا کہ آئندہ اس میں ترمیم کردی جائیگی۔ مگر آپ کی سربراہی میں بورڈ حکومت کے سربراہوں سے جھوجھتا رہا، اور یہ بھی سچائی ہے کہ وقف ترمیمی بل کے سلسلہ میں حکومت کی اور نہ ہی اس کے وزیروں کی کبھی نیت صاف رہی، لیکن بورڈ کی حساس اور ذمہ دار قیادت اس پر مستقل نگاہ جمائے ہوئے تھی اور اس قیادت نے اپنے منشور میں یہ داخل کرلیا تھا کہ جب تک حکومت اس میں ہماری ترمیمات کو شامل نہیں کرلیتی بورڈ اس وقت تک چپ چاپ نہیں بیٹھ سکتا ہے، چنانچہ آپ نے مولانا محمد ولی رحمانی صاحب اور جناب محمد عبدالرحیم قریشی صاحب جیسے اپنے جواں ہمت سکریٹریوں کی مدد سے خاموشی کے ساتھ وقف کے قانون میں تبدیلی کے لئے اپنے طور پر مستقل کوشش کروائی، حکومت اور حکومت کے وزراء پر بھی نظر رکھی اور اس سلسلہ میں ہر اونچ نیچ کا سنجیدگی اور خاموشی کے ساتھ جائزہ کا کام بھی کراتے رہے، اور جب کبھی نمائندگی اور کوششوں کی ضرورت محسوس ہوتی تو حکومت کے ذمہ داروں سے ملاقات کا سلسلہ بھی جاری رکھوایا، الحمدللہ بار بار ملاقاتوں کا حکومت کے ذمہ داروں پر اچھا اثر ہوا، اور ۱۹؍اگست ۲۰۱۳ء کو ترمیمی بل کا مسودہ راجیہ سبھا سے منظور ہوگیا اور جلد ہی ۵؍ستمبر ۲۰۱۳ء کو لوک سبھا سے بھی منظور ہوگیا، اس طرح گویا کہ اب یہ قانون کی شکل اختیار کرگیا، یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ نے جو ترمیمات حکومت کو دی تھیں اس میں تقریباً ستر سے پچھتر فیصدی ترمیمات بورڈ کی شامل کرلی گئیں لیکن اب بھی اس میں بہت اہم حصہ باقی رہ گیا ہے جس کے لئے بھی کوششیں جاری ہیں اور یہ بھی اپنی جگہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حکومت نے اوقافی جائیدادوں کے انخلاء کا قانون بنانے میں سست رفتاری دیکھائی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج وہ جماعت اپوزیشن کے لائق بھی نہیں ہے۔ مسلم پرسنل لا بورڈ شروع سے

کوشش کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا کہ قانون وقف مکمل طور پر قانون شریعت سے ہم آہنگ ہوتا کہ جائیداد وقف کی حفاظت و صیانت کا معقول نظم ہو سکے اور اوقافی جائیدادوں پر جن لوگوں کا ناجائز قبضہ ہے اس کو قانون سازی کے ذریعہ آزاد کرایا جا سکے تاکہ ملت کی بیش قیمت جائیداد صحیح مصرف میں استعمال کے قابل ہو سکے۔

● ایک اہم مسئلہ مسلم مطلقہ کے لئے تا حیات یا تا نکاح ثانی سابق شوہر سے نفقہ دلانے کی تجویز کے خلاف شروع دن سے مسلم پرسنل لا بورڈ قانونی لڑائی لڑ رہا ہے، اور حکومت کے ذمہ داروں سے اس بابت کوششیں بھی برابر کر رہا ہے، حالانکہ بورڈ کی کوشش اور تگ ودو سے جو قانون بنایا گیا اس قانون کے بعض نقائص کو اس وقت بھی محسوس کیا گیا تھا، اور اس کے ازالہ کے لئے ترمیمات مرتب کر کے حکومت کے حوالہ بھی کی گئی تھیں۔ جواب میں یہی کہا گیا کہ اس وقت تو قانون کو پاس ہو جانے دیجئے، ترمیم تو آرڈیننس کے ذریعہ بھی ہو جائے گی۔ لیکن ایسا نہ ہونے کی صورت میں تحفظ حقوق مسلم مطلقہ قانون کے دستوری جواز کو چیلنج کیا گیا اور اس کے خلاف کئی رٹس سپریم کورٹ میں فائل ہوئیں۔ علاوہ ازیں کئی ہائی کورٹس کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں بھی دائر ہوئیں۔ پٹنہ اور حیدر آباد ہائی کورٹس کے فیصلے قانون شریعت سے ہم آہنگ تھے ممبئی اور گجرات ہائی کورٹس کے فیصلوں نے اس کی تعبیر بالکل مختلف کرتے ہوئے مطلقہ کے لئے تا حیات یا تا عقد ثانی سابقہ شوہر کی جانب سے گزارہ کی رقم ضروری قرار دی۔ سپریم کورٹ میں ان مقدمات کی سماعت جولائی واگست ۲۰۰۰ء میں ہوئی، مگر اس دستوری بنچ نے فیصلہ ایک سال بعد ستمبر ۲۰۰۱ء میں سنایا جس کی وجہ سے تحفظ حقوق مسلم مطلقہ قانون کے بنانے کا مقصد فوت ہو گیا۔ ماہ مئی ۲۰۰۱ء میں بمبئی ہائی کورٹ کی اورنگ آباد کی فل بنچ نے وقوع طلاق کے بارے میں ایک فیصلہ دیا جو قانون شریعت سے متصادم ہے۔ اس سلسلہ میں بورڈ کی طرف سے ماہرین قانون کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی اور اسی پس منظر میں نفقہ مطلقہ کے ایک مقدمہ کی بورڈ سپریم کورٹ میں پیروی بھی کر رہا ہے تاکہ سابق میں جو کمیاں رہ گئی ہیں اس میں اس کی تلافی کی جا سکے۔ اس کے لئے آپ کی نگرانی میں بورڈ کی ہر طرح سے کوششیں ہنوز جاری ہیں۔

● یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عائلی قوانین پر مشتمل ایسا کوئی مستند مجموعہ پہلے سے موجود نہیں تھا جو زمانہ کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ شریعت اسلامی کی صحیح ترجمانی کرتا ہو اور اس پر علماء کا اتفاق ہو، اور اسے عدالتوں میں بھی بطور سند پیش کیا جا سکے، ۱۹۸۶ء میں شاہ بانو مقدمہ کے موقع پر اس کی شدت سے ضرورت محسوس کی گئی، چنانچہ قوانین اسلامی کو دفعہ وار مرتب کرنے کا کام بورڈ کے بانی جنرل سکریٹری حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی صاحبؒ نے اس کی ابتدا فرمائی اور اس کے لئے ملک کے علماء اور فقہائے کرام کی خدمت میں ایک مفصل تحریر روانہ فرمائی اور اس تحریر کے جوابات کی روشنی میں نقشہ تیار فرمایا پھر ان ہی کی رہنمائی اور نگرانی میں کام شروع کیا گیا اور اس کام کے لئے چند فاضل علماء اور قانون داں کی خدمات بھی حاصل کی گئیں، بڑی محنتوں اور کاوشوں کے بعد آپ کی زندگی میں ہی یہ کام مکمل ہو گیا لیکن زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکا، لیکن اس کی طباعت کا مرحلہ بھی آپ ہی

کے زمانہ میں آیا اور ۲۰۰۱ء میں اس کی طباعت ہوئی ۱۹/اگست ۲۰۰۱ء کو اس کی رسم اجراء ہوئی، اور بورڈ کی اس کوشش کو پورے ملک میں عزت وقدر کی نگاہ سے دیکھا گیا، بلا شبہ یہ حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ کے دور کا بہت بڑا علمی کارنامہ ہے۔

● آپ کے دور میں ایک بڑا کام یہ بھی ہوا کہ بورڈ نے کئی بار غور وخوض کرنے کے بعد ایک ایسا نکاح نامہ ۲۰۰۵ء میں بھوپال اجلاس کے موقع سے منظور کرلیا جس میں نکاح سے متعلق تمام شرعی پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے اور زوجین کے لئے ضروری ہدایتوں کی تذکیر تاکہ آئندہ ازدواجی زندگی میں وہ اس کو ملحوظ رکھیں۔ اس نکاح نامہ کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے صفحہ اول پر نکاح پڑھانے والے کے لئے ضروری معلومات درج ہیں، صفحہ دوم پر عاقدین اور گواہوں کے نام وپتے، صفحہ تین پر زوجین کے لئے چند ہدایات اور حقوق بیان کئے ہیں، اور صفحہ آخر پر ایک مختصر اقرار نامہ ہے جس میں خوشگوار ازدواجی زندگی گذارنے اور نزاع کی صورت میں دارالقضاء کی طرف رجوع کرنے کا عہد وپیمان ہے۔

● ۲۰۰۵ء میں وشولوچن مدن ایڈووکیٹ نامی شخص نے ایک پٹیشن سپریم کورٹ میں دارالقضا کے خلاف داخل کی تھی جسمیں عدالت نے دارالعلوم دیوبند، حکومت ہند اور مسلم پرسنل لا بورڈ کو بھی فریق بنایا تھا اس رٹ میں کہا گیا تھا کہ مسلمان سرکاری عدالتوں کے خلاف شریعہ کورٹ قائم کررہے ہیں، بورڈ نے اس نوٹس کا بھرپور اور مدلل جواب سپریم کورٹ میں داخل کیا اور بورڈ نے اپنے جواب میں بتایا کہ یہ عدالت ملکی عدالت کے بالکل خلاف نہیں ہے بلکہ ہندوستان کی تاریخ میں نظام قضا کا سسٹم شروع سے رہا ہے، انگریزوں کے عہد میں بھی رہا ہے، یہاں خاص طور پر عائلی مسائل پر شریعت کی روشنی میں فیصلے کئے جاتے ہیں ایک طرح سے یہ عدالت کے بوجھ کو کم کرتا ہے، مخالفت نہیں، بورڈ نے صرف اتنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ وقتا فوقتا اس پر گہری نگاہ بھی رکھی اور جب جیسی ضرورت پیش آتی آپ کی قیادت میں حکومت کے ذمہ داروں سے ملاقات کا نظم بھی کرتا رہا۔ بالآخر کئی سالوں کی پیشی اور شنوائی کے بعد ملک کی معزز عدالت سپریم کورٹ کے دو فاضل ججوں جناب چندرا مولی کمار پرسادا اور پنا کی چندرا گھوش نے ۷/جولائی ۲۰۱۴ء کو اس مقدمہ کا فیصلہ سنایا، یہ فیصلہ مسلم پرسنل لا بورڈ کی کوششوں کا ایک کامیاب زینہ بھی ہے اور آئندہ کے لئے ایک تجربہ بھی ہے اس فیصلہ میں جج صاحبان نے کہا کہ ایسے اداروں کا قیام قابل تعریف ہے مگر ان کو قانونی حیثیت حاصل نہیں ہے، یہ غیر رسمی طور پر انصاف رسائی کا سسٹم ہے تاکہ فریقین کے درمیان امن وہم آہنگی سے تصفیہ کیا جائے، یہ فریقین پر منحصر ہے کہ اس کو قبول کریں، نظر انداز کریں یا رد کریں، بہرحال یہ فیصلہ بھی بورڈ کی کامیاب کوششوں کا نہ صرف ایک اہم حصہ ہے بلکہ بورڈ کے تحفظ شریعت کے میدان میں تاریخی کارناموں کی فہرست میں ایک اہم اضافہ بھی ہے۔ اور یہ تاریخی کارنامہ آپ کے دور کا انتہائی اہم اور تاریخی کارنامہ ہے۔

● دہلی ہائی کورٹ نے ۲/جولائی ۲۰۰۹ء کو ناز فاؤنڈیشن کی جانب سے دائر کردہ رٹ پر فیصلہ دیتے ہوئے دو بالغ افراد کے درمیان ہم جنسی کے فعل کو جرائم کی فہرست سے خارج کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ دو بالغ افراد کے درمیان باہمی رضامندی

سے ہم جنسی جرم نہیں ہے۔قانون تعزیرات ہند کی دفعہ 377 کی رو سے ہم جنسی کا عمل عمر کے کسی مرحلہ میں ہو، رضامندی سے ہو یا عدم رضامندی سے جرم ہے، دہلی ہائی کورٹ نے اپنے فیصلہ میں قانون کی اس دفعہ میں ترمیم کی بھی ہدایت دی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے بورڈ کا ایک اعلیٰ سطحی وفد آپ کی قیادت میں مؤرخہ ۱۵رستمبر ۲۰۰۹ء کو وزیر اعظم سے ملا اور دہلی ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کے سلسلہ میں تفصیلی گفتگو کی اور ایک میمورنڈم بھی پیش کیا، چنانچہ بورڈ نے اولاً اپنے آپ کو اس مقدمہ میں فریق بنایا اور ملک کے مشہور اور ماہر قانون دانوں کی خدمات حاصل کر کے پوری قوت کے ساتھ قانونی لڑائی جاری رکھی ،الحمدللہ سپریم کورٹ کے دو معزز ججوں (جی ایس سنگھوی اور سدھانشو جیوتی موکو پادھیائے) نے ۱۱ردسمبر ۲۰۱۳ء کو اپنا فیصلہ سنایا جس میں جج صاحبان نے اس عمل کو بدبختانہ قرار دیتے ہوئے اس کی مذمت بھی کی اور آئندہ کے لئے اس پر روک لگادی، آپ کے زمانہ کا یہ فیصلہ بھی بورڈ کی تاریخی کامیابی کا ایک اہم حصہ ہے۔

- داڑھی کا ایک مقدمہ ملک کی سب سے بڑی عدلیہ سپریم کورٹ میں پہونچا اور وہ معاملہ یہ تھا کہ ایرفورس کے ایک مسلم آفیسر نے سپریم کورٹ میں رٹ داخل کرتے ہوئے بتایا کہ اس کو داڑھی رکھنے کے لئے منع کیا گیا ہے جبکہ داڑھی شعائر اسلام میں داخل ہے اور حکومت کا یہ قانون مذہبی آزادی کے بنیادی حق میں مداخلت ہے اس کیس میں حکومت ہند کی طرف سے جو جواب داخل کیا گیا اس میں کہا گیا کہ داڑھی رکھنا اسلام میں فرض نہیں ہے یہ صرف سنت ہے جس کی فرض کی طرح اہمیت نہیں ہے، حکومت ہند کا یہ جواب انتہائی قابل اعتراض تھا، آپ کی قیادت میں بورڈ نے حکومت کو دوٹوک جواب دیتے ہوئے کہا کہ'' داڑھی شعائر اسلام میں داخل ہے اور یہ سنت ہے اور مسلمانوں کو اپنے رسولؐ کی سنت پر عمل کرنا ضروری ہے،حکومت ہند کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ بتلائے کہ اسلام میں کیا چیز فرض ہے ۔کیا واجب ہے، کیا سنت ہے، اور ان تینوں چیزوں کا مقام کیا ہے، اسے طے کرنے کا حق ہم حکومت کو نہیں دے سکتے ، جب فوج اور ایرفورس میں سکھ ہم وطنوں کو داڑھی رکھنے کی اجازت ہے تو مسلمانوں کو بھی داڑھی رکھنے کی اجازت دی جائے اور داڑھی نہ رکھنے کی جو ہدایات فوج اور ایرفورس میں ہے انہیں واپس لیا جائے''۔ بورڈ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بورڈ نے اس مسئلہ پر اپنی نشستوں میں کئی بار غور کیا، اور قانونی و سیاسی پیروی بھی کی ، جب مقدمہ فیصلہ کے مرحلہ میں آیا تو سپریم کورٹ کے جج جناب جسٹس مارکنڈے کاٹجو صاحب نے فیصلہ سے پہلے اپنے دائرہ کار سے تجاوز کرتے ہوئے ایک عجیب وغریب بدبختانہ تبصرہ کرتے ہوئے داڑھی کو طالبانیوں کی شناخت سے تعبیر کیا تھا، اس پر بورڈ کے سکریٹری حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے بڑا سخت موقف اختیار کیا یہاں تک کہ عدلیہ سے لے کر ایوان حکومت تک جج صاحب کے خلاف اپنی تحریک چھیڑ دی اور الحمد للہ اس کا نتیجہ ہوا کہ ملک اور عدلیہ کی تاریخ میں پہلی بار کسی جج نے اپنے ریمارک سے تحریر معافی مانگی ،آپ کے جنرل سکریٹری رہتے ہوئے یہ بورڈ کا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے جو لوگ ملکی اور عدالتی نظام کو سمجھتے ہیں انہیں اندازہ ہوگا کہ یہ کتنا بڑا اور اہم تاریخی کارنامہ ہے۔

- بورڈ شروع دن سے عدالتوں اور قانون ساز اداروں

سے مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی لڑائی لڑتا رہا ہے یہ الگ بات ہے کہ یکے بعد دیگرے بورڈ نے مختلف لڑائیاں لڑیں، متبنی بل، یونیفارم سول کوڈ، جبری نسبندی، نفقہ مطلقہ، داڑھی، ہم جنسی اور دارالقضاء وغیرہ لیکن اس وقت بھی بورڈ شعائر اسلامی اور مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے کئی طرح کی قانونی لڑائی لڑ رہا ہے، جس میں ایک اہم مسئلہ کیرالا ہائی کورٹ میں قرآن وسنت سوسائٹی کی جانب سے ۲۰۰۸ء میں داخل ہونے والی وہ رٹ ہے جسمیں اسلامی قانون وراثت کو چیلنج کیا گیا ہے، کیرالا ہائی کورٹ نے اس میں حکومت ہند اور حکومت کیرالا کو فریق بنایا ہے، بورڈ کو جب اسکی اطلاع ملی تو آپ نے قانون دانوں سے مشورہ کر کے اولاً بورڈ کو بھی اس میں فریق بنوایا اور پیروی شروع کردی۔ اور اس کے لئے کیرالا ہائی کورٹ کے مشہور وکلا کی خدمات بھی حاصل کی گئیں، حالانکہ اس سلسلہ میں بورڈ کا ایک مؤقر وفد آپ کی قیادت میں وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ سے ملا تھا اور میمورنڈم پیش کرتے ہوئے یہ درخواست کی تھی کہ اس میمورنڈم کی روشنی میں مرکزی حکومت وہاں جواب داخل کرے، اس کے علاوہ وزیر قانون سے بھی آپ کی ہدایت پر بورڈ کے سکریٹریوں کا ایک وفد ملا اور اس ملاقات کا اچھا اثر ہوا کہ مرکزی حکومت نے بورڈ کی خواہش کے مطابق اپنا جواب داخل کیا، یہ مقدمہ جب کیرلا ہائی کورٹ کے ججوں چیف جسٹس جناب اشوک بھوشن جی اور جسٹس اے۔ ایم۔ شفیق کے سامنے مؤرخہ ۲/جولائی ۲۰۱۵ء کو جب شنوائی کے لئے پیش ہوا تو جج صاحبان نے اس پٹیشن کو ہی خارج کردیا۔ ایک طویل انتظار کے بعد بزرگوں کی انتھک محنت کے نتیجہ میں بورڈ نے اس میں بھی کامیابی حاصل کرلی۔

● بورڈ کے اخراجات کا معاملہ اور خاص کر مرکزی دفتر میں ہونے والے یومیہ اخراجات اور کارکنوں کی تنخواہوں کی ادائیگی وغیرہ جیسے مستقل خرچ کے لئے ۲۰۱۱ء میں ایک خطیر رقم کے ذریعہ بنگلور میں چار ہزار اسکوائر فٹ پر مشتمل ایک حصہ حاصل کیا جس سے ماہانہ کرایہ کی شکل میں اتنی رقم حاصل ہوجاتی ہے کہ بورڈ کے دفتر کے بنیادی اخراجات پورے ہوجاتے ہیں، اور آپ کے زمانے میں اس کام اور اقدام کی جس قدر ستائش کی جائے وہ کم ہے، اس کے علاوہ چار درجن کے قریب بیش قیمت رسائل بھی بورڈ نے اب تک شائع کئے ہیں جسمیں اسلامی قانون کا دفعہ وار مرتب مجموعہ ''مجموعہ قوانین اسلامی'' کے نام سے کافی اہمیت کا حامل ہے، اسی طرح نظام قضا، تفہیم شریعت، اصلاح معاشرہ اور آئینی حقوق بچاؤ تحریک جیسے اہم موضوعات پر چھوٹے چھوٹے رسالے کافی اہم ہیں، گذشتہ دس سالوں سے پابندی کے ساتھ بورڈ کا ترجمان سہ ماہی خبرنامہ آپ کی ادارت میں شائع ہورہا ہے اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

● آپ کی سرپرستی میں اب تک مجلس عاملہ کے اکسٹھ اجلاس اور پندرہ اجلاس عام ہوچکے ہیں جس میں ایک دہلی کا اجلاس جزوقتی جنرل سکریٹری کی حیثیت سے تھا لیکن نگرانی آپ ہی کی تھی، بہرحال قصہ مختصر یہ کہ آپ کی پوری زندگی ملی امور و خدمات کے اردگرد گھوتی ہے پیرانہ سالی، بیماری واعذاری کے باوجود آپ حتی المقدور قوم وملت کی خدمت میں لگے رہے۔ آپ کی زندگی کی آخری مجلس عاملہ کی میٹنگ ۷/جون ۲۰۱۵ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہوئی جسمیں آپ نے صدر محترم

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم سے گذارش کی کہ اب میری صحت نہیں ہے مجھے بورڈ کی ذمہ داریوں سے معاف کردیں حضرت صدر محترم دامت برکاتہم نے حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ کے اصرار پر اور ارکان عاملہ کے مشورہ سے حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب کو بورڈ کا بااختیار کارگزار جنرل سکریٹری بنانے کا اعلان فرمایا۔ آپ کی زندگی کی آخری نشست میں ہی دین اور دستور بچاؤ تحریک اور مجلس عمل کی تشکیل کا فیصلہ ہوا۔ اور آپ نے مجھے یہ ہدایت دی کہ اب تمام معاملات حضرت مولانا محمد ولی رحمانی صاحب دیکھیں گے۔

● بورڈ کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے اور ان کی مختلف کمیٹیاں اسکے دست و بازو ہیں، سماجی اصلاح وفلاح کی خاطر اصلاح معاشرہ کمیٹی ہے، وکلاء ودانشوروں کو اسلامی قانون سے واقف کرانے کے لئے تفہیم شریعت کمیٹی ہے، پورے ملک میں خاص طور پر شریعت اسلامی کی روشنی میں عائلی مسائل کے حل و تصفیہ کے لئے دارالقضا کمیٹی ہے، نکاح کے لازمی رجسٹریشن کے لئے لازمی نکاح رجسٹریشن کے نام سے ایک مستقل کمیٹی ہے، آثار قدیمہ کے نام سے بھی ایک کمیٹی ہے، بابری مسجد ملکیت مقدمہ کی نگرانی اور سپریم کورٹ میں زیر دوراں حقیت مقدمہ کی نگرانی کے لئے ایک علیحدہ کمیٹی ہے، اس کے علاوہ دیگر شرعی مسائل کے خلاف پورے ملک میں دائر ہونے والے مقدمات اور اپیلوں کے جائزہ اور نگرانی کے لئے مستقل قانونی کمیٹی ہے اور ملک کے قانون ساز اداروں کے ذریعہ نئے وضع ہونے والے قانون پر نگاہ رکھنے اور اسلامی شریعت کے مطابق دستور ہند کی دفعہ ۲۵/۲۶/۲۹/اور ۳۰/ کے تحت شریعت مخالف قوانین کی شقوں کے خلاف قانون ساز اداروں اور حکمراں جماعت کے وزراء سے مستقل رابطہ کے لئے ملک گیر آئینی حقوق بچاؤ تحریک ہے جو حکومت اور اس کے عملے کو بروقت متوجہ کرنے اور حکومت کے خلاف عوام کے اندر بیداری پیدا کرنے کے فریضہ کو بھی بخوبی انجام دیتے رہے۔

● آپ کی پوری زندگی جہد مسلسل اور عمل پیہم کی عملی تصویر تھی، کس طرح ماتحتوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ملت کو سمیٹنے اور ساتھ لے کر کام کرتے رہنے کی خو آنے والی نسلوں کے لئے درس عبرت ہے، اس راہ میں بے شمار اڑچنیں بھی آئیں مگر آپ کے جگر نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ نہ صرف برداشت کیا بلکہ ملت کی خاطر ان سب کو نظر انداز کرتے ہوئے پورے تن من کے ساتھ گونا گوں خدمات انجام دیتے ہوئے ۱۷/اگست ۲۰۱۵ء کو کی شام ۶/ بجے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ کی سرپرستی میں ایک طویل عرصہ تک بری بھلی خدمت انجام دینے کا موقع ملا، بہت سی یادیں اور باتیں ہیں جو آج کی امت اور ملت کے لئے نقوش راہ سے کم نہیں، انشاء اللہ اپنا اخلاقی، دینی اور ملی فریضہ سمجھتے ہوئے آئندہ سپرد قلم کرنے کی کوشش کرونگا۔ اللہ حضرت مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کے سئیات کو حسنات سے مبدل فرما کر اعلی علیین میں اولیاء وصلحاء کی جماعت میں شامل فرمائے۔ آمین

(مضمون نگار آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، نئی دہلی کے مرکزی دفتر میں آفس سکریٹری ہیں)

❁❁

امیر شریعت سادس مولانا سید نظام الدینؒ

خورشید عالم داؤد قاسمی

لانا پڑا تمھیں کو تمہاری مثال میں

یہ حقیقت ہے کہ کل تک جو شخص ہمارے سامنے ہوتا تھا، ہمیں بہت ہی عزیز و محترم تھا، ہم ان کے ساتھ رہتے سہتے اور زندگی گزارتے تھے، ہم ان کے کردار و گفتار سے استفادہ کرتے تھے، وہ ہماری خوشی و غم میں شریک ہوتا ہے اور ہم اس کی خوشی و غم میں ساتھ ہوتے تھے، آج وہ شخص اپنے مالک حقیقی سے جاملتا ہے اور پھر ہم اسے اپنے کندھے پر اٹھا کر، قبر کی گود میں اتار کر مٹی و پتھر سے اسے بند کردیتے ہیں۔ یہ ہے انسانی زندگی کی حقیقت۔ اللہ تعالی نے ہمیں اس دنیا میں امتحان کے لیے بھیجا ہے۔ ہمیں اپنے مال و متاع اور اسباب دنیوی پر بھروسہ کر کے اللہ تعالی سے غافل نہیں ہونا چاہیے؛ بل کہ ہمیشہ اللہ تعالی کو یاد رکھنا چاہیے۔ اس دنیا میں رہ کر جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہے، اللہ سے ڈرتا ہے، اچھے اعمال کرتا ہے، اللہ کی مخلوق کے لیے رشد و ہدایت کا ذریعہ بنتا ہے اور ان کے لیے نافع ثابت ہوتا؛ تو ایسا شخص موت سے نہیں ڈرتا؛ بل کہ ایسے شخص کے لیے موت ایک عظیم تحفہ ہے اور اپنے پاک پروردگار سے ملنے کا ذریعہ ہے۔

بہار، اڑیسہ اور جھارکھنڈ کے مسلمانوں کے چھٹے امیر شریعت (امیر شریعت سادس)، ہندوستانی مسلمانوں کا متحدہ پلیٹ فارم "آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ " کے جنرل سکریٹری اور ایشیاء کی عظیم دینی درسگاہیں : دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے ممبر اور دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ کی مجلس نظامت کے رکن: حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اس دنیا سے ہمیشہ ہمیش کے لیے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

امیر شریعت سادس عصر حاضر میں ہندوستانی مسلمانوں کے چند گنے چنے رہنماؤں اور چند معروف و مشہور عام دین میں سے تھے۔ آپ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے تھے اور کا روحانی تعلق بھی شیخ الاسلام سے ہی تھا۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کرنے کے بعد، اس وقت کی مشہور دینی درس گاہ "مدرسہ امدادیہ، دربھنگہ " میں داخلہ لیا اور متوسطات کی کتابیں پڑھی۔ پھر اعلی تعلیم کے لیے، سن 1942 میں ایشیاء کی عظیم دینی و اسلامی درس گاہ اور تحریک آزادی ہند کا مرکز: دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا۔ آپ نے دارالعلوم، دیوبند میں داخلہ لے کر، وقت کے ماہرین علوم و فنون سے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ پھر سن 1946 میں دارالعلوم، دیوبند سے آپ نے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ بعد ازاں، مزید ایک سال دارالعلوم، دیوبند میں رہ کر " تخصص فی الادب " کیا۔ اس طرح سن 1947 میں آپ نے دارالعلوم، دیوبند سے تعلیم کی تکمیل کے بعد، تدریسی لائن سے منسلک ہوگئے۔ رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد، آپ "مدرسہ

ریاض العلوم ساٹھی میں بحیثیت صدر مدرس 1948 سے 1962 تک انتظامی اور تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ پھر آپ نے مدرسہ رشید العلوم، چترا، جھارکھنڈ (سابق بہار) میں تدریسی خدمات شروع کی۔ اس ادارہ میں 1963-1964 تک آپ صدر المدرسین کی حیثیت سے رہے۔

جب آپ "مدرسہ ریاض العلوم، ساٹھی" میں بحیثیت صدرالمدرسین تدریسی وانتظامی ذمےداری نبھا رہے تھے، تب سے ہی امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی (رحمہ اللہ) سے آپ کا تعارف تھا۔ جب مولانا رحمانی امیر شریعت رابع منتخب ہوئے؛ تو ان کی دوررس نگاہ نے قابل اور باصلاحیت علماء کا ایک ایسا گروپ امارت شرعیہ میں جمع کیا، جو آپ کی وفات کے بعد، اسلاف واکابر کے مشن کو پوری تندہی اور جد وجہد کے ساتھ آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ دارالعلوم کے وہ چند فضلاء جن کو "رجال ساز یا افراد ساز" کے طور پر زمانہ یاد کرے گا، ان میں ایک شخصیت مولانا سید منت اللہ رحمانی (رحمہ اللہ) کی بھی تھی۔ جن لوگوں نے بھی مولانا رحمانی کی زیرنگرانی کام کیا اور کسی طرح کی ذمے داری سنبھالی، وہ کے سب چندے آفتاب اور چندے ماہتاب بن کر پوری دنیا میں چمکے۔ ان ہی چند لوگوں میں امیر شریعت سادس مولانا سید نظام الدین صاحب (رحمہ اللہ) بھی تھے۔

نشان منزل جاناں ملے ملے نہ ملے
مزے کی چیز ہے یہ ذوق جستجو میرا

امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی "امارت شرعیہ " کے امیر منتخب ہونے کے بعد، جہاں امارت میں "قضاء" کا عہدہ جامعہ رحمانی کے موقر استاذ فقہ وحدیث : قاضی مجاہد الاسلام قاسمی (رحمہ اللہ) کو تفویض کیا، وہیں سن 1965 میں، حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب کو، قاضی صاحب کے اصرار پر، ایک مضافاتی مدرسہ سے امارت شرعیہ لاکر ،امارت کی نظامت کا عہدہ پیش کیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ امارت کے پاس اپنا دفتر تک نہیں تھا، "خانقاہ مجیبیہ " میں اس کی آفس تھی۔ مگر اللہ کے ان مخلص بندوں نے مولانا رحمانی کی زیرنگرانی، دن رات ایک کرکے محنت کی اور امارت کے مشن کو بہار واڑیسہ کے چھوٹے چھوٹے گاؤں تک پہنچایا۔ جوں جوں امارت کا کام بڑھتا گیا، اللہ نے امارت کے لیے راہ ہموار کی اور پھر "پھلواری شریف، پٹنہ " میں امارت کی اپنی آفس وغیرہ کی تعمیر کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا۔

19/ مارچ 1991 کو امیر شریعت رابع مولانا سید منت اللہ رحمانی کی وفات کے بعد، مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کو "امیر شریعت خامس "اور مولانا سید نظام الدین صاحب کو نائب امیر منتخب کیا گیا۔ 2/ ستمبر 1998 کو امیر شریعت خامس اپنے رب سے جا ملے۔ پھر یکم نومبر 1998 کو اراکین شوری امارت شرعیہ نے آپ کو "امیر سادس "اور قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کو نائب امیر منتخب کیا۔ امارت شرعیہ کے حوالے سے چاہے آپ کی نظامت کا طویل دور ہو یا پھر "امارت " کا لمبا زمانہ، آپ نے اپنی ذمے داری بحسن وخوبی نبھاتے ہوئے ادارہ کی

ترقی اوراس کے مشن کے پھیلانے میں اہم کردارادا کیا۔

نگاہ برق نہیں، چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

جب حضرت مولانا نظام الدین صاحب "امارت" سے منسلک ہوگئے؛ تو پورے طور پر امیر شریعت رابع کے ہوکر رہ گئے۔ اب چاہے پورے ہندوستانی مسلمانوں کی الجھی گتھی سلجھانی ہو یا امارت کے مشن کو گاؤں گاؤں پہنچانا، ہر جگہ اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ اپنی ذمے داری نبھاتے رہے۔ جب امیر شریعت رابع نے دسمبر 1972 میں تحریک "مسلم پرسنل لاء" کا آغاز کیا؛ تو اس وقت بھی مولانا سید نظام الدین صاحب اس تحریک میں اپنے رفقاء کے ساتھ آگے آگے رہے اور امیر شریعت کے معین و مددگار ثابت ہوئے۔ بورڈ کے قیام کے بعد، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب (رحمہ اللہ) کو بورڈ کا باوقار عہدہ صدارت پیش کیا گیا؛ جب کہ مولانا رحمانی کو جنرل سکریٹری منتخب کیا۔ بہت سے لوگوں کے ساتھ مولانا سید نظام الدین صاحب کو بھی بورڈ کا معزز رکن بنایا گیا۔ قاری محمد طیب صاحب (رحمہ اللہ) کی وفات کے بعد، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (رحمہ اللہ) کو بورڈ کا صدر منتخب کیا گیا۔ پھر 19/ مارچ 1991 کو بورڈ کے جنرل سکریٹری کی وفات کے بعد، باتفاق رائے مئی 1991 میں مولانا سید نظام الدین صاحب کو بورڈ کا جنرل سکریٹری بنایا گیا۔ اس وقت سے اپنی آخری سانس تک آپ بورڈ کے موقر جنرل سکریٹری رہے۔ بورڈ میں چوں کہ مختلف فرقوں اور مختلف جماعتوں کے نمائندے ہوتے ہیں، اس لیے اختلاف رائے کا ہونا یقینی اور ظاہر ہے، مگر اس کے باوجود بھی تقریباً اپنے 25/ سالہ جنرل سکریٹری رہنے کے دور میں، کسی طرح کا کوئی بڑا انتشار رونما نہ ہونے دیا؛ بل کہ اپنی خداداد صلاحیت اور حسن اخلاق سے بورڈ کے شیرازہ کو متحد رکھا۔

فروغ مہر بھی دیکھا، جمال گلشن بھی
تمھارے سامنے کس کا چراغ جلتا ہے

آپ کا دائرہ کار صرف "امارت شرعیہ" اور "آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ" تک ہی محدود نہیں تھا؛ بل کہ آپ دارالعلوم، دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ جیسی اسلامی اور علمی درسگاہوں اور تحریکوں کی مجلس شوری اور مجلس نظامت کے رکن بھی رہے۔ آپ کو ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کا رکن سن 1996 میں؛ جب دارالعلوم، دیوبند کی مجلس شوری کا رکن سن 1997 میں منتخب کیا گیا۔ آپ ان دونوں اداروں کی شورائی میٹنگوں میں پابندی سے پہنچتے تھے اور اپنی رائے صواب سے نوازتے تھے۔ آپ ان اداروں کو اکابر کی امانت سمجھتے تھے اور ان اداروں کے خلاف کسی طرح کی بات سننا پسند نہیں کرتے تھے۔

مجھے یاد آرہا ہے کہ میں دارالعلوم، دیوبند میں "تکمیل ادب عربی" کا طالب علم تھا۔ اس وقت میرے ایک دوست نے مجھے یہ بتایا تھا کہ وہ رمضان بعد ایک دن امیر شریعت سے ملنے گئے تھے۔ دارالعلوم، دیوبند کا ایک طالب علم حضرت سے "تکمیل افتاء میں داخلہ کی شفارش" کے لیے پہنچا۔ اس طالب علم نے امیر شریعت کی شفارش حاصل کرنے کے لیے اپنی بات شروع کی اور کہا": میں آپ کے یہاں تکمیل افتاء میں

داخلہ کی شفارش کے لیے آیا ہوں؛ کیوں کہ دارالعلوم میں بہار کے طلبہ کا آسانی سے تکمیل افتاء میں داخلہ نہیں ہوتا؛ جب کہ دوسری جگہ کے طلبہ کا با آسانی داخلہ ہوجاتا ہے۔ "امیر شریعت نے جوں ہی اس طالب کا یہ جملہ سنا، بہت ہی خفا ہوئے اور کہا کہ "آپ نے اس جملے سے دارالعلوم، دیوبند کی انتظامیہ کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں مجلس شوری کا رکن ہوں اور بخوبی جانتا ہوں کہ حقیقت کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے تکمیل افتاء میں داخلہ کے بہت سے طلبہ متمنی ہوتے ہیں اور وہ امتحان میں اچھے نمبرات حاصل کرنے کی وجہ سے اس کے مستحق بھی ہوتے ہیں، مگر تکمیل افتاء میں محدود سیٹیں ہونے کی وجہ سے اتنے طلبہ کی گنجائش نہیں ہوتی؛ اس لیے تقابل کے بعد ہر صوبہ سے قابل طلبہ کو منتخب کیا جاتا۔ اس میں بہار کے طلبہ بھی ہوتے ہیں۔ مگر آپ نے دروغ گوئی سے کام لیا ہے۔ آئندہ اس طرح کی دروغ گوئی سے پرہیز کریں۔"

ملک کی معروف ملی تنظیموں اور مشہور اداروں کے علاوہ آپ دسیوں مکاتب و مدارس کے نگراں اور سرپرست تھے۔ آپ اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا جیسی عظیم علمی اکیڈمی کے سرپرستوں میں بھی تھے۔ آپ بڑے اخلاص سے ان اداروں کی رہنمائی کرتے رہے۔ وہ جس عہدہ پر بھی فائز رہے، اللہ کی مدد ان کے شامل حال رہی اور اسلاف و اکابر کی نمائندگی اور قائم مقامی بڑی حسن و خوبی اور سلیقے کے ساتھ انجام دیتے رہے اور کبھی کسی کو کچھ بولنے کا موقع نہ دیا۔

دونوں جہاں آئینہ دکھلا کے رہ گئے
لانا پڑا تمھیں کو تمھاری مثال میں

امیر شریعت سادس کی پیدائش بہار کے مشہور ضلع: گیا میں 31/ مارچ 1927 کو ہوئی۔ آپ کا تعلق ایک علمی خانوادہ سے تھا۔ آپ کے والد ماجد قاضی سید حسین صاحب، حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری (رحمہ اللہ) کے شاگرد تھے۔ آپ کئی مہینوں سے صاحب فراش تھے۔ انتقال سے چند دنوں قبل رانچی میں زیر علاج تھے۔ ڈاکٹروں نے یہ کہہ کہ واپس کردیا تھا کہ اب حضرت کسی بھی وقت اس دار فانی سے کوچ کر جائیں گے۔ اس کے بعد آپ کو "پھلواری شریف، پٹنہ" میں لاکر رکھا گیا۔ 17/ اکتوبر 2015 کی شام کو، چھ بج کر پندرہ منٹ پر، 88 سال کی عمر میں، حضرت والا اپنے پروردگار کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہزاروں لوگوں کو یتیم کر کے رحلت فرما گئے۔ نائب امیر شریعت مولانا سید محمد ولی رحمانی صاحب، کارگزار جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور پٹنہ کے "حاجی حرمین قبرستان" میں لاکھوں لوگوں نے غمناکی کی حالت میں آپ کو سپرد خاک کردیا۔

وہ فاقہ مست ہوں جس راہ سے گزرتا ہوں
سلام کرتا ہے آشوب روزگار مجھے

(مضمون نگار مون اسکول زامبیا میں استاذ ہیں)

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

.... ● شمس تبریز قاسمی

مسلم پرسنل لاء بورڈ کے جنرل سکریٹری بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم دین حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب امیر شریعت بہار، اڑیسہ جھارکھنڈ 17 اکتوبر 2015 کوطویل علالت کے بعد شام 6:15 منٹ پر دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ فرما گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔حضرت مولانا کافی دنوں سے بستر علالت پر تھے اور رانچی کے ایک ہسپتال نے ایک ہفتہ قبل ہی ان کو ریفر کردیا تھا۔گذشتہ ایک ہفتہ سے امارت شرعیہ میں ہی ان کا علاج ہورہا تھا جہاں ہفتہ 7/اکتوبر کی شام ساڑھے چھ بجے دارفانی کی جانب کوچ کر گئے۔

حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب ملت اسلامیہ کے عظیم پاسبان اور مسلمانان ہند کے مخلص قائد تھے ان کی پوری زندگی جہد مسلسل سے عبارت ہے۔آپ کا تعلق ہندوستان کے تین اہم ادارے سے تھا اور آپ نے تینوں کو بحسن وخوبی نبھایا۔آپ طویل عرصہ سے امارت شرعیہ بہار اڑیسہ جھارکھنڈ سے وابستہ تھے۔ امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ رحمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد امارت شرعیہ کے مشن کو آگے بڑھانے ، قاضی القضاۃ حضرت مولانا مجاہدالاسلام صاحب قاسمی کے قائم کردہ خطوط کو برقرار رکھنے اور بانی امارت مفکر اسلام مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد کی فکر کو فروغ دینے میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دی۔مسلمانان ہند کی سب سے متحرک وفعال تنظیم امارت شرعیہ پٹنہ کے آپ چھٹے امیر شریعت تھے۔ ہندوستانی مسلمانوں کی سب سے بڑی متحدہ تنظیم آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے آپ 1991 سے ہی سے جنرل سکریٹری تھے جس کے بقاء اور تحفظ سے آپ کی پوری زندگی عبارت ہے۔ ایشیاء کی عظیم درس گاہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے بھی رکن تھے اور ہمیشہ مشکل وقت میں آپ نے دارالعلوم دیوبند کی صحیح رہنمائی کی۔اراکین شوریٰ کا کہنا ہے آپ کی تعلیمی رہنمائی میں دارالعلوم نے بے مثال ترقی کی ،اس کے علاوہ دسیوں مدارس اور تنظیمیں آپ کی سرپرستی میں تعلیمی ،ملی اور رفاہی کام انجام دے رہی تھیں۔آپ کا انتقال پر ملال ملت اسلامیہ کے لئے سوہان روح ہے۔آپ سلف کی یادگار تھے اور امارت ومسلم پرسنل لا بورڈ کی آپ نے جو خدمات انجام دی ہیں اس کی کوئی نظیر نہیں۔ حضرت امیر شریعت جیسی شخصیت صدیوں میں پیدا ہوتی ہے جن پر پوری ملت کو ناز ہوتا ہے۔آپ نے امارت اور بورڈ کی جس انداز سے قیادت کی ہے تاریخ میں وہ سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔آپ کی وفات حسرت آیات سے ملت اسلامیہ ہند کی تابناک اور طویل روشن تاریخ کے ایک باب کا خاتمہ ہوگیا ہے۔آپ ان گنے چنے اشخاص میں سے تھے جن کی لائق قیادت کو ہر طبقے میں پذیرائی حاصل تھی۔آپ نوجوانی سے لیکر تادم آخر سرمایۂ ملت کے نگہبان کی حیثیت سے ملتِ اسلامیہ ہند کے مذہبی مسائل کے حل اور تعلیمی انقلاب کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔آپ کے عقیدت مندوں میں ہر طبقے

کے افراد تھے، حتیٰ کے غیر مسلم برادران وطن بھی آپ سے رہنمائی حاصل کرنے اور دعاء لینے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ مختصر لفظوں میں یہ کہ آپ مرجع خلائق اور اپنے متوسلین کے لئے شجر سایہ دار کی طرح تھے، جس کے سایہ میں بیٹھ کر ہر ایک اپنے آپ کو آسودہ خاطر پاتا تھا۔

حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ کی ولادت باسعادت 13 مارچ 1927ء کو محلہ پرانی جیل، گیا (بہار) میں ہوئی۔ آپ کے والد قاضی سید حسینؒ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد تھے۔ ابتدائی تعلیم دربھنگہ میں حاصل کی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے 1942ء میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، جہاں سے 1946ء میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی اور 1947ء میں تخصص فی الادب کیا۔ 13 مارچ 1950ء کو رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئے۔ حضرت امیر شریعت ریاض العلوم، ساٹھی میں 1948 تا 1962ء صدر مدرس بھی رہے۔ کچھ سالوں تک آپ مدرسہ رشید العلوم چترا میں صدر مدرس کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دی۔ مئی 1991 میں حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کے انتقال کے بعد آپ کو آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا جنرل سکریٹری منتخب کیا گیا۔ 2 ستمبر 1998ء کو امیر شریعت خامس کے انتقال کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ یکم نومبر 1998ء میں امیر شریعت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے۔ مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کے آپ خصوصی معتمد تھے اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے خصوصی شاگردوں اور حضرت سے ہی بیعت تھے۔

آپ طالب علمی کے زمانہ سے ہی دینی و ملی تحریکوں میں سرگرم رہے ہیں۔ آپ دارالعلوم دیوبند میں طلبہ بہار کی مرکزی انجمن 'بزم سجادؔ' کے ذمہ دار اور اس کے تحت نکلنے والے ہفتہ وار جریدہ البیان کے ایڈیٹر تھے۔ ایک مرتبہ ملاقات کے دوران آپ نے فرمایا میں انجمنوں میں صدر سکریٹری کے بجائے لکھنے پڑھنے والی ذمہ داریاں زیادہ لیتا تھا۔ میں نے حضرت سے کہا کہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں بھی اسی نظریہ پر عمل کرتا ہوں اور مجھے بھی ''البیان'' کے ایڈیٹر رہنے کا شرف حاصل ہے۔ حضرت نے یہ سن کر خوشی کا اظہار کیا اور اپنی دعاؤں سے نوازا۔

حضرت امیر شریعت ملت اسلامیہ کے اہم اثاثہ تھے، آپ کا انتقال ایک عہد کا خاتمہ ہے۔ آپ جیسی شخصیت صدیوں میں پیدا ہوتی ہے جنہیں ملت کا مفاد سب سے عزیز ہوتا ہے۔ جو اپنی پوری زندگی قوم وملت کے مفاد کے لئے وقف کردیتے ہیں۔ اپنی ذاتی ضروریات پر کوئی توجہ نہیں دیتے ہیں آپ کو جان کر یہ حیرت ہوگی حضرت نے اپنی پوری زندگی گذاردی، لیکن رہائش کے لئے ایک مکان تک نہیں خریدا۔ پھلواری شریف میں ایک رشتے دار کے مکان میں قیام پذیر تھے۔ ہندوستان کے تین اہم ترین ادارے سے وابستہ ہونے کے باوجود آپ نے ہمیشہ خود کو نام ونمود وشہرت سے دور رکھا۔ گویا۔

ملنے کے نہیں نایاب ہیں

اللہ تعالی حضرت امیر شریعت کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

❀ ❀ ❀

قرآن پاک خدا کی معرفت کا اصل ذریعہ

مولانا امین احسن اصلاحی

خدا کی معرفت یا دوسرے الفاظ میں ''العلم'' کے حاصل ہونے کا اصلی ذریعہ قرآن حکیم ہے لیکن اس مقصد کے لئے قرآن کی ہر تلاوت نتیجہ خیز نہیں ہے بلکہ اس کے کچھ آداب و شرائط ہیں۔ اگر یہ ملحوظ رکھے جائیں تو قرآن سے مذکورہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو تزکیہ کا مقصد عزیز ہو ان کو آداب و شرائط کا پورا پورا اہتمام کرنا ہے۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ کچھ شرائط بیان کی گئی ہے۔

نیت کی پاکیزگی:

سب سے پہلی چیز، نیت کی پاکیزگی ہے۔ نیت کی پاکیزگی سے مطلب یہ ہے کہ آدمی قرآن مجید کو صرف طلب ہدایت کے لئے پڑھے، کسی اور غرض کو سامنے رکھ کر نہ پڑھے۔ اگر طلب ہدایت کے سوا آدمی کے سامنے کوئی اور غرض ہوگی تو نہ صرف یہ کہ قرآن کے فیض سے محروم رہے گا بلکہ اندیشہ اس بات کا بھی ہے کہ قرآن سے جتنا دور وہ اب تک رہا ہے اس سے بھی کچھ زیادہ دور ہٹ جائے۔ اگر آدمی قرآن کو اس لئے پڑھے کہ لوگ اسے مفسر قرآن سمجھنے لگیں اور وہ کوئی تفسیر لکھ کر جلد اس سے شہرت اور دنیاوی نفع حاصل کر سکے تو ممکن ہے اس کی یہ غرض حاصل ہو جائے لیکن قرآن مجید کے علم سے وہ محروم رہے گا۔ اسی طرح اگر آدمی کے کچھ اپنے نظریات ہوں اور وہ قرآن کی طرف اس لئے رجوع کرے کہ ان نظریات کے لئے قرآن سے کچھ دلائل ہاتھ آجائیں تو ممکن ہے وہ قرآن سے کچھ دلیلیں، اپنے خیال کے مطابق اپنے نظریات کی تائید میں نکالنے میں کامیاب ہو جائے، لیکن ساتھ ہی اس حرکت کے سبب وہ اپنے اوپر فہم قرآن کا دروازہ بالکل بند کر لے گا۔

قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا صحیفہ بنا کر اتارا ہے اور ہر آدمی کے اندر طلب ہدایت کا داعیٰ ودیعت فرمایا ہے، اگر اسی داعیہ کے تحت آدمی قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ اس سے اپنی کوشش اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کے مطابق فیض پاتا ہے، اور اگر اس داعیہ کے علاوہ کسی اور خواہش کے تحت وہ قرآن کو استعمال کرنا چاہتا ہے تو وہی چیز پاتا ہے جس کی اس کو تلاش ہوتی ہے۔ قرآن مجید کی اس خصوصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف یہ فرمائی ہے کہ ''اللہ اس چیز سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے''۔ (سورہ البقرہ: 26) یہ اصول بیان فرمانے کے بعد یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ گمراہ ان لوگوں کو کرتا ہے جو فاسق ہوتے ہیں یعنی جو لوگ اپنی اغراض کے بندے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو وہی چیز دیتا ہے جس کے وہ بھوکے ہوتے ہیں۔ اگر ایک شخص کعبہ جا کر بھی بتوں ہی کو یاد کرتا ہے تو وہ ہرگز اس بات کا سزاوار نہیں کہ اس پر توحید کے رموز کھولے جائیں۔ اگر کوئی شخص پھولوں کے اندر سے بھی کانٹے ہی جمع کرنے کا شوق رکھتا ہے تو وہ ہرگز اس کا مستحق ہے کہ اس کو پھولوں کی خوشبو نصیب ہو۔ اگر ایک شخص اپنے فساد طبیعت کے سبب علاج کو بھی بیماری بنا لیتا ہے تو وہ اسی بات کے لائق ہے کہ

شفا حاصل ہونے کے بجائے اس کی بیماری ہی میں اضافہ ہو۔

اسی حقیقت کی طرف قرآن حکیم نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر:16 میں اشارہ فرمایا ہے۔:

''یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دی تو ان کی تجارت ان کے لئے نفع بخش نہ ہوئی اور یہ ہدایت پانے والے بنے''۔

قرآن مجید کو برتر کلام مانا جائے:

دوسری چیز یہ ہے کہ قرآن مجید کو ایک اعلیٰ اور برتر کلام مان کر اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اگر دل میں قرآن مجید کی عظمت واہمیت نہ ہوتو آدمی اس کے سمجھنے اور اس کے حقائق ومعارف کے دریافت کرنے پر وہ محنت نہیں کرسکتا جو اس کے خزانۂ حکمت سے مستفید ہونے کے لئے ضروری ہے۔ بظاہر یہ بات بعض لوگوں کو کچھ عجیب سی معلوم ہوگی کہ ایک کتاب کے متعلق اس کے جاننے سے پہلے ہی حسن ظن قائم کرلیا جائے۔ کہ وہ بڑی پُرحکمت اور اعلیٰ کتاب ہے۔ لیکن غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید کے متعلق اس قسم کی پیشگی حسن ظن ذرا بھی تعجب انگیز نہیں۔ قرآن مجید اپنے پیچھے ایک عظیم الشان تاریخ رکھتا ہے۔ اس کے کارنامے نہایت شاندار ہیں۔ ذہنوں اور دماغوں کی تبدیلی میں اس کتاب نے جو معجزہ دکھایا ہے آج تک کسی بھی کتاب نے یہ معجزہ نہیں دکھایا۔

پھر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ دنیا کی آبادی کا ایک عظیم حصہ اس کو نہ صرف کتاب بلکہ اس کو خدائی اور آسمانی کتاب مانتا ہے، اس کو لوح محفوظ سے اترا ہوا کلام مانتا ہے، اس کو ایک ایسا معجزۂ کلام مانتا ہے، جس کی نظیر نہ انسان پیش کرسکتا ہے نہ جنات۔ ایک ایسا کلام جس کے ماضی اور جس کے حاضر کے متعلق یہ شہادتیں اور لوگوں کے یہ احساسات موجود ہوں، بہر حال اہمیت رکھنے والا کلام ہے اور آدمی اس کو سمجھنے کا حق اسی وقت ادا کرسکتا ہے۔ جب ان کی یہ عظمت اہمت اس کے پیش نظر ہو۔

قرآن مجید کے تقاضوں کے مطابق بدلنے کا عزم:

قرآن حکیم سے حقیقی استفادہ کے لئے تیسری ضروری چیز یہ ہے کہ آدمی کے اندر قرآن مجید کے تقاضوں کے مطابق اپنے ظاہر و باطن کو بدلنے کا مضبوط ارادہ موجود ہو۔ ایک شخص جب قرآن مجید کو گہری نگاہ سے پڑھتا ہے تو وہ ہر قدم پر یہ محسوس کرتا ہے کہ قرآن کے تقاضے اور مطالبے اس کی اپنی خواہشوں اور چاہتوں سے بالکل مختلف ہیں۔ وہ دیکھتا ہے کہ اس کے تصورات ونظریات بھی قرآن سے بیشتر الگ ہیں اور اس کے معاملات و تعلقات بھی قرآن کے مقرر کردہ حدود سے ہٹے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے باطن کو بھی قرآن سے دور پاتا ہے اور اپنے ظاہر کو بھی اس سے بالکل منحرف محسوس کرتا ہے۔ اس فرق واختلاف کو محسوس کر کے ایک صاحب عزم اور حق طلب آدمی تو یہ فیصلہ کرتا ہے خواہ کچھ ہو میں اپنے آپ کو قرآن کے تقاضوں کے مطابق بنا کے رہوں گا۔ وہ ہر قسم کی قربانیاں دے کر، ہر طرح کے مصائب جھیل کر، ہر قسم کی ناگواریاں برداشت کر کے اپنے آپ کو قرآن کے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے اور بالآخر اپنے آپ کو قرآن کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے، لیکن جو شخص صاحب عزم نہیں ہوتا یا اس کے اندر حق شناسی اور حق طلبی کا سچا جذبہ نہیں ہوتا وہ اس خلیج کو پاٹنے کی ہمت نہیں کرسکتا جو وہ اپنے اور قرآن کے درمیان حائل پاتا ہے۔ وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اگر میں اپنے عقائد وتصورات کو قرآن کے مطابق بنانے کی کوشش کروں تو مجھے ذہنی اور فکری حیثیت سے نیا جنم لینا پڑے گا۔ اسے یہ نظر آتا ہے کہ اگر میں

اپنے اعمال واخلاق کو قرآن کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کروں تو میرا اپنا ماحول میرے لئے بالکل اجنبی بن کے رہ جائے۔ وہ یہ دیکھتا ہے کہ اگر میں اپنے وسائل معاش کو قرآن کے ضابطۂ حلال وحرام کی کسوٹی پر پرکھوں تو آج جو عیش مجھے حاصل ہے اس سے محروم ہوکر شاید اپنے نان شبینہ کے لئے بھی فکر مند ہونا پڑے۔ ان خطروں کے مقابل ڈٹ جانا اوران سے مقابلہ کرنے کے لئے پُرعزم ہمت باندھ لینا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ صرف مردانِ کار ہی ان گھاٹیوں کو پار کر سکتے ہیں۔ معمولی ہمت و ارادہ کے لوگ یہیں سے اپنا رخ بدل لیتے ہیں۔

بعض جو اپنی کمزوریوں پر زیادہ پردہ ڈالنے کے خواہشمند نہیں ہوتے وہ تو یہ کہتے ہوئے اپنے نفس کی خواہشوں کے پیچھے چل پڑتے ہیں کہ قرآن مجید کا راستہ ہے تو بالکل صحیح، لیکن ہمارے لئے اس پر چلنا نہایت مشکل ہے، اس لئے ہم اسی راہ پر چلیں گے جس پر ہم کو ہمارا نفس لے جارہا ہے۔ لیکن جو لوگ اپنی کمزوریوں کو عزیمت اور اپنے نفاق کو ایمان کے روپ میں پیش کرنے کا شوق رکھتے ہیں وہ اپنا یہ شوق مختلف تدبیروں سے پورا کرتے ہیں۔ بعض اضطرار اور مجبوری کے بہانوں سے اپنے لئے ناجائز کو جائز اور حرام کو حلال بناتے ہیں۔ بعض جھوٹی اور باطل تاویلات کے ذریعہ سے باطل پر حق کا ملمع چڑھاتے ہیں۔ بعض وقت کے تقاضوں اور مصالح کی آڑ تلاش کرتے ہیں۔ بعض کتاب الٰہی میں اس قسم کی تحریفیں کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس قسم کی تحریفیں یہود نے اللہ کی کتاب میں کی تھیں۔ بعض کفر وایمان کے بیچ سے ایک راہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی قرآن کے جس حصہ کو اپنی خواہشوں کے مطابق پاتے ہیں، اس کی تو پیروی کرتے ہیں اور جس حصہ کو اپنی خواہشوں کے مطابق نہیں پاتے اس کو نظرانداز کردیتے ہیں۔

یہ ساری راہیں شیطان کی نکالی ہوئی ہیں اور ان میں جس راہ کو بھی آدمی اختیار کرے گا وہ اس کو سیدھے ہلاکت کی طرف لے جائے گی۔ کامیابی اور فلاح کا راستہ صرف یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو قرآن کے سانچے میں ڈھالنے کی ہمت کرلے اور اس کے لئے ہر قربانی پر آمادہ ہوجائے۔ کچھ عرصہ تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس ارادہ کی آزمائش ہوتی ہے۔ اگر آدمی اس آزمائش میں اپنے آپ کو مضبوط ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو خدا اس کے لئے دوسرا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اگر ایک ماحول سے وہ پھینکا جاتا ہے تو دوسرا ماحول اس کے خیر مقدم کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ اگر ایک زمین اس کو پناہ دینے سے انکار کردیتی ہے تو دوسری سرزمین اس کے لئے اپنی آغوش کھول دیتی ہے۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن حکیم نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے۔

''اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں جھیل رہے ہیں، ہم ان پر اپنی راہیں ضرور کھولیں گے اور بے شک اللہ صاحبانِ احسان کو اپنی معیت سے نوازتا ہے''۔ (سورہ العنکبوت:69)۔

تدبّر اور غور وفکر:

قرآن سے استفادہ کے لئے چوتھی شرط تدبر ہے۔ اس شرط کا ذکر خود قرآن مجید نے باربار کیا ہے:

''کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں''۔ (سورہ محمد:24)۔

صحابہ رضی اللہ عنہم جو قرآن کے مخاطب اول تھے، وہ قرآن مجید کو برابر تدبر کے ساتھ پڑھتے تھے اور جو لوگ جتنا ہی تدبر کرتے تھے وہ اتنے ہی قرآن مجید کے فہم میں ممتاز تھے۔ صحابہ نے قرآن مجید کے مطالعہ کے لئے حلقے بھی قائم کئے تھے

جن میں اہل ذوق حضرات اکٹھے ہو کر قرآن کا اجتماعی مطالعہ کرتے تھے۔ اس طرح کے قرآنی حلقوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص دلچسپی تھی۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں خلفائے راشدین، بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اس قسم کے حلقوں سے اور قرآن کے ماہرین سے برابر دلچسپی لیتے رہے۔

محض تبرک کے طور پر قرآن کے الفاظ کی تلاوت کر لینا اور قرآن کے معانی کی طرف دھیان نہ دینا، صحابہ کا طریقہ نہیں ہے۔ یہ طریقہ تو اس وقت سے رائج ہوا ہے جب لوگوں نے قرآن مجید کو ایک صحیفۂ ہدایت و معروف اور ایک خزانۂ علم و حکمت سمجھنے کے بجائے محض حصول برکت کی ایک کتاب سمجھنا شروع کر دیا۔ جب زندگی کے مسائل سے قرآن کا تعلق صرف اس قدر رہ گیا کہ دم نزع اس کے ذریعہ سے جانکنی کی سختیوں کو آسان کیا جائے اور مرنے کے بعد اس کے ذریعہ سے میت کو ایصال ثواب کیا جائے، جب زندگی کے نشیب و فراز میں رہنما ہونے کے بجائے اس کا مصرف یہ رہ گیا کہ ہم جس ضلالت کا بھی ارتکاب کریں اس کے ذریعہ سے اس کا افتتاح کریں تا کہ یہ برکت دے کر اس ضلالت کو ہدایت بنا دیا کرے، جب لوگوں نے اس کو تعویذ کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا تا کہ جب وہ اپنے شیطانی مقاصد کی تکمیل کے لئے نکلیں تو قرآن ان کی حفاظت کرے کہ اس راہ میں کہیں ان کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔

دنیا کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جس نے قرآن سے زیادہ اس بات پر زور دیا ہو کہ اس کا حقیقی فائدہ صرف اس شکل میں حاصل کیا جا سکتا ہے جب اس کو پورے غور و تدبر کے ساتھ پڑھا جائے۔ لیکن یہ بھی ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ یہی کتاب ہے جو ہمیشہ آنکھ بند کر کے پڑھی جاتی ہے۔ معمولی سے معمولی چیز بھی آدمی پڑھتا ہے تو اس کے لئے سب سے پہلے وہ اپنے دماغ کو حاضر کرنے کی کوشش کرتا ہے تا کہ اس کو سمجھ سکے، لیکن قرآن کے ساتھ لوگوں کا یہ عجیب معاملہ ہے کہ جب اس کو پڑھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے دماغ پر پٹی باندھ لیتے ہیں کہ مبادا کہیں اس کے کسی لفظ کا مفہوم دماغ کو چھو نہ جائے۔

تفویض الی اللہ:

قرآن مجید سے صحیح فائدہ اٹھانے کے لئے پانچویں شرط یہ ہے کہ اس میں جو مشکلات پیش آئیں، آدمی ان سے بددل اور مایوس ہونے یا قرآن مجید سے بدگمان یا اس سے معترض ہونے کے بجائے اپنی الجھن کو خدا کے سامنے پیش کرے اور اس سے مدد اور رہنمائی طلب کرے۔ قرآن میں آدمی کبھی کبھی ایسا محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے ''قول ثقیل'' کے نیچے دب گیا ہے کہ اس بار گراں کو اٹھانا اس کے لئے ناممکن ہے۔ اسی طرح وہ کبھی کبھی ایسا محسوس کرتا ہے کہ اس کے سامنے کوئی ایسی علمی مشکل آ گئی ہے جس کا حل ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ اس طرح کی علمی اور عملی مشکلوں سے نکلنے کا صحیح اور آزمودہ راستہ صرف یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور قرآن مجید پر برابر غور کرتا رہے، اگر قرآن مجید یاد ہو تو شب کی نمازوں میں قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھے، انشاء اللہ اس کی ساری الجھنیں دور ہو جائیں گی اور حکمت قرآن کے ایسے دروازے اس پر کھل جائیں گی کہ پھر اس کو قرآن حکیم کی ہر مشکل آسان معلوم ہونے لگے گی اور اس پر فہم و ادراک کے نئے دریچے وا ہوں گے۔

❁ ❁

مطالعہ سیرتؐ کا صحیح اور بنیادی نقطہ نظر

نعیم صدیقی

موجودہ عالمگیر مادہ پرستانہ تہذیب کے ظاہر فریب پردوں کے پیچھے جھانک کر انسانیت کا جائزہ لیجئے تو وہ حال زار سامنے آتا ہے کہ روح کانپ جاتی ہے۔ پوری اولادِ آدم کو چند خواہشات نے اپنے شکنجے میں کس لیا ہے اور ہر طرف دولت و اقتدار کے لئے ہاتھاپائی ہورہی ہے، آدمیت کے اخلاقی شعور کی مشعل گل ہے، جرائم تمدنی ترقی کے ساتھ ساتھ تیزی سے بڑھ رہے ہیں، نفسیاتی الجھنوں کا زور ہے اور ذہنی سکون یکسر غائب ہوچکا ہے، انسانی ذہن و کردار میں ایسا بنیادی فساد آگیا ہے کہ زندگی کا کوئی گوشہ اس کی منحوس پرچھائیں سے محفوظ نہیں رہا۔ فلسفہ وحکمت سے سچائی کی روح کھوگئی ہے، اعتقادات ونظریات میں توازن نہیں رہا، روحانی قدریں چوپٹ ہوچکی ہیں اور قانون روحِ عدل سے خالی ہورہا ہے۔ سیاست میں جذبہ خدمت کی جگہ اغراض پرستی گھس گئی ہے۔ معیشت کے میدان میں ظالم اور مظلوم طبقے پیدا ہوگئے ہیں، فنون لطیفہ میں جمال کی ساری رنگ آمیزیاں جنسی جذبوں اور سفلی خواہشوں سے کی جانے لگی ہیں، تمدن کے سارے عوامل میں چپہ چپہ پر تضادات ابھر آئے ہیں جن کے درمیان تصادم برپا ہے اور پوری تاریخ ایک خوفناک ڈرامے میں بدل گئی ہے۔ عقل ترقی کرگئی ہے مگر اس کی حماقتیں ہمارے درپئے آزار ہیں۔ علم کے سوتے ابل رہے ہیں مگر اسی کی پروردہ جہالتوں کے ہاتھوں آدم زاد کا ناک میں دم ہے۔ دولت کے خزانے ہر چہار طرف بکھرے پڑے ہیں مگر خاکی مخلوق بھوک، ننگ اور محرومی کے عذاب میں گھری ہے۔ ہزار گونہ تنظیمیں اور سیاسی ہیئتیں، نظریاتی وحدتیں اور معاہداتی رابطے نمودار ہیں مگر انسان اور انسان کے درمیان بھائی بھائی کا سا تعلق نہیں۔ عقلی، سیاسی، اخلاقی اور تہذیبی شعور کی ترقی کے چرچے ہیں مگر ظلم اور تشدد کے انتہائی ناپاک حربے آج بھی انسانیت کے خلاف کام میں لائے جارہے ہیں۔ تاریخ ایک وسیع اکھاڑا ہے جس میں کہیں امپیریلزم اور حریت پسندی کے درمیان، کہیں کمیونزم اور سرمایہ داری کے درمیان، کہیں جمہوریت اور آمریت کے درمیان، کہیں فرد اور اجتماعیت کے درمیان اور کہیں مغربیت اور ایشیائیت کے درمیان ایک خونخوار آویزش ہورہی ہے۔

ایسی ہے یہ دنیا جس میں ہم اپنی زندگیاں گزار رہے

ہیں!

مصنوعی سیاروں اور میزائلو ں کے اس دور میں سائنس الہ دین کے روایتی چراغ کے ''جن'' کی طرح مادی قوتوں کے نئے نئے خزانے انسان کے ایک ایک اشارے پر بہم پہنچا رہی ہے۔قدرت کے سربستہ رازوں کے ازلی قفل حکمت کی کنجی سے کھل رہے ہیں، ہیبت ناک رفتاریں انسان کو زمان و مکان پر وسیع تصرف دلا رہی ہیں، جوہری توانائی نے تباہ کار دیوؤں کے لشکر انسان کے سامنے مسخر کر کے کھڑے کر دیئے ہیں جو بس ایک اشارہ ابرو کے منتظر ہیں۔دوسری طرف خود اس انسان کا اپنا حال یہ ہے کہ وہ شیطانی اور تخریبی قوتوں کے پنجے میں پہلے سے زیادہ بے بس دکھائی دیتا ہے جو بار بار اسے اپنے ہی خلاف محشر آرا کر رہی ہیں اور جنہوں نے ہر دور تاریخ میں اس کے عظیم تعمیری کارناموں اور اس کے شاندار تمدنوں کو خود اسی کے ہاتھوں ملیا میٹ کرایا ہے۔

ذرا کسی ایسے کارواں کا تصور کیجیے جو کسی پہاڑ کی چوٹی پر ڈیرہ ڈالے اور زربفت کے خیمے نصب کر کے کھانے پینے، رقص اور شراب میں مگن ہو، اس کے پاس کاروباری اموال کے انبار ہوں، جانوروں اور سواریوں کی کثرت ہو، اس کا اسلحہ چمکدار اور اس کا پہرہ مضبوط ہو، لیکن عین اس کے قالینوں اور بستروں اور مسندوں کے نیچے کی زمین میں چند فٹ کی گہرائی پر خوفناک لاوا کھول رہا ہو اور تھوڑا ہی وقفہ اس میں باقی ہو کہ پہاڑ پھٹ پڑے اور آگ کا طوفان امڈنے لگے۔کچھ ایسا ہی حال ہمارے قافلہ تمدن کا ہے جو موجودہ لمحہ تاریخ کی پہاڑی پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔اس پہاڑی کے سینے میں ہولناک ترین بحران کا لاوا کھول رہا ہے۔

اضطراب کے اس لمحے میں جب چاروں طرف نگاہیں گھماتا ہوں تو تاریکی کا ایک سمندر شش جہت سے محاصرہ کئے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔اس سمندر میں دور... چودہ صدی کی دوری پر... ایک نقطہ نور دکھائی دیتا ہے۔

یہ انسانیت کے سب سے بڑے محسن محمد ﷺ کے پیغام کی مشعل ہے! وہی مشعل جس کی روشنی کو خود ہم نے... محمدؐ کے نام لیواؤں نے... اپنے افکار پریشان اور اپنے اعمال پراگندہ کے غبار میں گم کر رکھا ہے!!

میرے نزدیک سیرت پاک کے مطالعہ کا ایک ہی مقصود ہے، حضور ﷺ کے پیغام کی مشعل ہمارے سامنے اور پوری انسانیت کے سامنے ایک بار پھر نور پاش ہو اور قافلہ زندگی دورِ حاضر کی تاریکیوں میں اسی طرح جادہ فلاح کا سراغ پالے جس طرح اسے ساتویں صدی عیسوی میں بحران سے نجات پانے کا راستہ ملا تھا!

بدقسمتی سے سیرتِ نبوی ﷺ کا مطالعہ ہمارے ہاں اس اسپرٹ اور اس نقطہ نظر سے کم ہو رہا ہے جس سے ہونا چاہئے۔ہماری دلچسپی اس میدان میں پوری طرح یہ نہیں رہی کہ ہمیں وہاں سے ایک نقشہ زندگی حاصل کر کے اپنے آپ کو اس کے سانچے میں ڈھالنا ہے بلکہ بعض دوسری دلچسپیاں بیچ میں آ گئی ہیں اور روز بروز بڑھ رہی ہیں۔میرا حاصل مطالعہ و تحقیق یہ ہے کہ ہم نے مطالعہ سیرت کا صحیح بنیادی نقطہ نظر گم کر دیا ہے۔یہی

وجہ ہے کہ سرور عالم ﷺ کی محبت و عقیدت کے بے شمار مظاہر موجود ہونے کے باوجود اور سیرت پر دماغی کاوشیں صرف ہونے کے باوجود ہماری تاریخ کے افق سے وہ نیا انسان طلوع نہیں ہورہا جس کا نمونہ کامل حضور ﷺ نے پیش فرمایا تھا۔ حضورؐ کی سیرت ہمارے اندر بجز اس کے کسی طرح جلوہ گر نہیں ہوسکتی کہ ہم اُسی نصب العین کے لئے ویسی ہی جدوجہد کرنے اٹھیں جس کے لئے حضور ﷺ کی پوری زندگی کو ہم وقف پاتے ہیں۔ وہی جدوجہد اپنے ڈھب کی سیرت پیدا کرنے کا ذریعہ بھی ہوسکتی ہے اور مصرف بھی!

محمدؐ کی سیرت ایک فرد کی سیرت نہیں ہے، بلکہ وہ ایک تاریخی طاقت کی داستان ہے جو ایک انسانی پیکر میں جلوہ گر ہوئی۔ وہ زندگی سے کٹے ہوئے ایک درویش کی سرگزشت نہیں ہے جو کنارے بیٹھ کر اپنی انفرادی تعمیر میں مصروف رہا ہو بلکہ وہ ایک ایسی ہستی کی آپ بیتی ہے جو ایک اجتماعی تحریک کی روح رواں تھی۔ وہ محض ایک انسان کی نہیں بلکہ ایک انسان ساز کی روداد ہے۔ وہ عالم نو کے معمار کے کارنامے کی تفصیل اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ سرورِ عالم ﷺ کی سیرت غارِ حرا سے لے کر غار ثور تک، حرم کعبہ سے لے کر طائف کے بازار تک، امہات المومنینؓ کے حجروں سے لے کر میدان ہائے جنگ تک چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے نقوش بے شمار افراد کی کتاب حیات کے اوراق کی زینت ہیں۔ ابوبکر و عمر، عثمان و علی، عمار و یاسر، خالد و خویلد اور بلال و صہیب (رضوان اللہ علیہم اجمعین) سب کے سب ایک ہی کتاب سیرت کے اوراق ہیں۔ ایک چمن کا چمن ہے کہ جس کے لالہ و گل اور نرگس و نسترن کی ایک ایک پتی پر اس چمن کے مالی کی زندگی مرقوم ہے۔ وہ قافلہ بہار وقت کی سرزمین سے گزرا ہے اس کے ذرے ذرے پر نگہت کی مہریں ثبت کر گیا ہے۔

دنیا میں بڑے بڑے آدمی بہت پیدا ہوئے اور ہوتے ہیں۔ بڑے لوگ وہ بھی ہیں جنہوں نے کوئی اچھی تعلیم اور کوئی تعمیری فکر پیش کردی۔ وہ بھی ہیں جنہوں نے اخلاق و قانون کے نظام سوچے، وہ بھی ہیں جنہوں نے اصلاح معاشرہ کے کام کئے، وہ بھی ہیں جنہوں نے ملک فتح کئے اور بہادرانہ کارناموں کی میراث چھوڑی، وہ بھی ہیں جنہوں نے دنیا کے سامنے انفرادی اخلاق کا اونچے سے اونچا معیار قائم کر دکھایا... مگر ایسے بڑے آدمیوں کی زندگیوں کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو بالعموم یہی دیکھتے ہیں کہ ان کی قوتوں کا سارا رس زندگی کی کسی ایک شاخ نے چوس لیا اور باقی ساری ٹہنیاں سوکھی رہ گئیں۔ ایک پہلو اگر بہت زیادہ روشن ملتا ہے تو کوئی دوسرا پہلو تاریک دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف افراط ہے تو دوسری طرف تفریط! لیکن نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا ہر گوشہ دوسرے گوشوں کے ساتھ پوری طرح متوازن بھی ہے اور پھر ہر گوشہ ایک ہی طرح کے کمال کا نمونہ بھی ہے۔ جلال ہے تو جمال بھی ہے۔ روحانیت ہے تو مادیت بھی ہے، معاد ہے تو معاش بھی ہے، دین ہے تو دنیا بھی ہے، اک گونہ بےخودی بھی ہے مگر اس کے اندر خودی بھی کارفرما ہے، خدا کی عبادت ہے تو اس کے ساتھ بندوں کے لئے محبت و شفقت بھی ہے، کڑا اجتماعی نظم ہے تو فرد کے حقوق کا احترام بھی ہے، گہری مذہبیت

ہے تو دوسری طرف ہمہ گیر سیاست بھی ہے، قوم کی قیادت میں انہاک ہے مگر ساتھ ہی ازدواجی زندگی کا بکھیڑا بھی نہایت خوبصورتی سے چل رہا ہے، اور مظلوموں کی دادرسی ہے تو ظالموں کا ہاتھ پکڑنے کا اہتمام بھی ہے۔

آپ ﷺ کی سیرت کے مدرسے سے ایک حاکم، ایک امیر، ایک وزیر، ایک افسر، ایک ملازم، ایک آقا، ایک سپاہی، ایک تاجر، ایک مزدور، ایک جج، ایک معلم، ایک واعظ، ایک لیڈر، ایک ریفارمر، ایک فلسفی، ایک ادیب... غرضیکہ ہر کوئی یکساں درس حکمت وعمل لے سکتا ہے۔ وہاں ایک باپ کے لئے، ایک ہمسفر کے لئے، ایک پڑوسی کے لئے یکساں مثالی نمونہ موجود ہے۔ ایک بار جو کوئی اس درسگاہ تک آپہنچتا ہے پھر اسے کسی دوسرے دروازے کو کھٹکھٹانے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ انسانیت جس آخری کمال تک پہنچ سکتی تھی وہ اس ایک ہستی ہی میں جلوہ گر ہے، اسی لئے میں اس ہستی کو ''انسان اعظمؐ'' کے لقب سے پکارتا ہوں۔ تاریخ کے پاس انسان اعظم صرف یہی ایک ہے جس کو چراغ بنا کر ہر دور میں ہم ایوان حیات کو روشن کر سکتے ہیں۔ کروڑوں افرادِ انسانی نے اس سے روشنی لی، لاکھوں بزرگوں نے اپنے علم وفضل کے دیے اسی کی لو سے جلائے، دنیا کے گوشے گوشے میں اس کا پیغام گونج رہا ہے اور دیس دیس کے تمدن پر گہرے اثرات اس کی دی ہوئی تعلیم کے مرتب ہوئے ہیں۔ کوئی انسان نہیں جو اس ''انسان اعظمؐ'' کا کسی نہ کسی پہلو سے زیر بار احسان نہ ہو، لیکن اس کے احسان منداس کو جانتے نہیں، اس سے تعارف نہیں رکھتے۔

اس کی ہستی کے تعارف اور اس کے پیغام کے فروغ کی ذمہ داری اس کی قائم کردہ جماعت پر تھی لیکن آج وہ جماعت خود ہی اس سے اور اس کے پیغام سے دور جا پڑی ہے۔ اس کے پاس کتابوں کے اوراق میں کیا کیا کچھ موجود نہیں لیکن اس کی کھلی ہوئی کتابِ عمل کے اوراق پر انسان اعظمؐ کی سیرت کی کوئی تصویر دکھائی نہیں دیتی۔ اس جماعت اور قوم کی مذہبیت، اس کی سیاست، اس کی معاشرت، اس کے اخلاق اور اس کے کلچر پر اس سیرت کے بہت ہی دھندلے نشانات باقی رہ گئے ہیں۔

آئیں، سوچیں اور جائزہ لیں کہ انسانیت تاریخ کے کس مرحلے سے گزر رہی ہے اور ہم کہاں کھڑے ہیں؟ آج جبکہ گھٹاٹوپ اندھیرا ہمارے سامنے ہے اور دور دور تک کوئی شرر بھی چمکتا دکھائی نہیں دیتا، پیچھے پلٹ کر نظر ڈالتے ہیں تو محسن انسانیت ﷺ کے ہاتھوں میں ایک مشعل جھلملاتی دکھائی دیتی ہے جو گزشتہ چودہ صدیوں سے آندھیوں اور طوفانوں کے درمیان ایک ہی شان سے جل رہی ہے۔ حق یہ ہے کہ اصل مجرم ہم خود ہیں اور ہم ہی محسن انسانیت ﷺ کی شخصیت، پیغام اور کارنامے کو دنیا سے بھی اوجھل رکھنے والے ہیں اور اپنی نگاہوں سے بھی چھپانے والے۔ آج محسن انسانیت کی ہستی کا از سرِ نو تعارف کرانے کی ضرورت ہے اور یہ خدمت شاید جوہری توانائی کے انکشاف سے زیادہ بڑی خدمت ہوگی!۔

❁ ❁

خوف خدا
غصہ پر قابو پانے کا موثر ذریعہ

● مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

انسان مجموعہ اضداد ہے، طاقتور ایسا کہ سمندر اور پہاڑ بھی اس کی ٹھوکروں میں ہے اور کمزور ایسا کہ پانی کا معمولی سا تلاطم اور پہاڑ کا ایک سنگ ریزہ بھی اس کی موت کے لئے کافی ہے، لطیف ایسا کہ غنچہ وگل بھی اس پر نثار ہوا ور ذوق سے محروم ہو تو کثیف ایسا کہ شاید کوئی اخلاقی اور مادی آلائش اس کا مقابلہ کر سکے، محبت کرے تو شبنم اور بادِ نسیم سے بھی زیادہ خنک اور نفرت پر اتر جائے تو آتش فشاں بھی اس کی گرمی عداوت پر شرمائے۔ اسی طرح انسانی فطرت میں ایک اہم عنصر غصہ، غیظ وغضب اور جوش وانتقام کا ہے۔ یہ ایک آگ ہے جو انسان کے سینہ کو سلگا کر رکھ دیتی ہے اور اس کا انگ انگ اس کی حرارت سے دہک اٹھتا ہے، آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں، چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے، زبان بے قابو ہو جاتی ہے اور جب غصہ شدید ہو تو اپنے اعضاء پر بھی انسان کی گرفت باقی نہیں رہتی؛ اسی لئے رسول اللہ نے فرمایا کہ: غصہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ (مسند احمد: ۱۹۸۵۷، ابوداؤد: ۴۷۸۴، عن عطیہؓ) گویا غصہ کی حالت میں انسان شیطان کا نمائندہ بن جاتا ہے اور شیطان اس کو اپنے مقصد ومنشاء کی تکمیل کے لئے ذریعہ بناتا ہے۔

غصہ کی کیفیت انسان کو دینی اعتبار سے بعض اوقات سخت خسارہ میں ڈال دیتی ہے، زبان سے کفر یہ کلمات نکل جاتے ہیں، آدمی ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جو سراسر تقاضہ دین وایمان کے مغائر ہوتی ہیں۔ یہی جوشِ غضب انسان کو قتل وقتال اور سب وشتم تک پہنچا دیتا ہے، دینی نقصان تو ہے ہی، دنیوی نقطہ نظر سے بھی انسان کچھ کم نقصان سے دوچار نہیں ہوتا۔ بہت سے واقعات ہیں کہ بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں، بعض مغلوب العقل حضرات خود کشی کر بیٹھتے ہیں، شدتِ غضب میں اپنا ہی سامان توڑ پھوڑ کرنے سے گریز نہیں کرتے، غصہ کی وجہ سے انسان دماغی مریض بھی بن سکتا ہے اور قلب پر حملہ سے بھی دوچار ہو سکتا ہے... اگر معاشرہ کے مفاسد کا جائزہ لیا جائے تو زیادہ تر برائیاں غصہ ہی کی دین ہیں۔ خاندانوں کی باہمی نفرت، میاں بیوی کے درمیان ذہنی فاصلے، ایک دوسرے کی عزت ریزی، صلح کے مواقع تلاش کرنے کے بجائے مقدمہ بازی اور جنگ وجدال کا تسلسل ... سماج کی یہ مہلک بیماریاں نوے فیصد غصہ ہی کے سبب ہیں اسی لئے اسلام میں غصہ کو سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے اور غصہ پر قابو پانے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جیسے ایلواء شہد کو خراب کر دیتا ہے، اسی طرح غصہ ایمان کو۔ ایک اور روایت میں ہے کہ

جوشخص غصہ کرتا ہے وہ جہنم کے قریب ہو جاتا ہے۔(احیاء العلوم: ۳/۱۶۵) آپ ﷺ نے فرمایا کہ: بدترین آدمی وہ ہے جس کو غصہ جلد آئے اور ختم ہو دیر سے اور بہترین آدمی وہ ہے جسے غصہ دیر سے آئے اور جلد چلا جائے۔(ترمذی، حدیث نمبر:۲۱۹۱) ایک بار آپ ﷺ کا گزر کچھ لوگوں پر ہوا۔ کچھ لوگ پتھر اٹھا رہے تھے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کیا کر رہے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: پتھر اٹھا رہے ہیں۔ لوگ ان کی بہادری بیان کرنا چاہ رہے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو ان سے بھی بہادر آدمی نہ بتلاؤں؟ پھر ارشاد فرمایا: ان سے بھی بہادر وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ کچھ لوگوں کے پاس سے آپ ﷺ گزرے، جو منتشر حالت میں تھے، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: فلاں پہلوان ہے کہ جس پہلوان سے بھی کشتی لڑتا ہے اسے زیر کر دیتا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو اس سے بھی زیادہ پہلوان شخص کے بارے میں نہ بتاؤں؟ اس سے بھی بڑا بہادر وہ شخص ہے جس پر کوئی شخص ظلم کرے اور وہ اپنے غصہ کو پی جائے، اس نے اپنے غصہ پر بھی غلبہ پایا اور اپنے شیطان پر بھی اور اپنے حریف کے شیطان پر بھی۔(مجمع الزوائد:۸/۶۸) ایک اور روایت میں ہے کہ اصل بہادر وہ ہے کہ جسے غصہ آئے، خوب غصہ آئے، چہرہ سرخ ہو جائے اور بال کھڑے ہو جائیں، پھر بھی وہ اپنے غصہ پر قابو پالے۔(حوالہ سابق:۸/۶۹)

اسی لئے رسول اللہ اخاص طور پر غصہ سے بچنے کی نصیحت فرماتے۔ ایک صاحب نے آپ ﷺ سے نصیحت کی خواہش کی، آپ ﷺ نے فرمایا غصہ نہ کرو، وہ بار بار پوچھتے رہے اور آپ ﷺ بار بار یہی جواب دیتے رہے۔ حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفیؓ نے عرض کیا: کہ مجھے کوئی مفید مگر مختصر نصیحت فرمائیے! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: غصہ نہ کرو، وہ بار بار نصیحت کی درخواست کرتے رہے اور آپ ﷺ ہر بار یہی جواب ارشاد فرماتے۔ (مجمع الزوائد: ۸/۷۰، بحوالہ طبرانی) حضرت ابو درداءؓ نے درخواست کی کہ ایسا عمل ارشاد فرمایا جائے جو مجھے جنت میں داخل کر دے، فرمایا: غصہ نہ کرو۔ (حوالہ سابق) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایسا عمل جاننے کی خواہش کی جو خدا کے غضب سے بچانے والا ہو، اب بھی یہی ارشاد ہوا کہ غصہ نہ کرو۔(حوالہ سابق: ۸/۶۹، بحوالہ مسند احمد) ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے

> ”غصہ کی کیفیت انسان کو دینی اعتبار سے بعض اوقات سخت خسارہ میں ڈال دیتی ہے، زبان سے کفریہ کلمات نکل جاتے ہیں، آدمی ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جو سراسر تقاضہ دین وایمان کے مغائر ہوتی ہیں۔ یہی جوش غضب انسان کو قتل وقتال اور سب وشتم تک پہنچا دیتا ہے، دینی نقصان تو ہے ہی، دنیوی نقطہ نظر سے بھی انسان کچھ کم نقصان سے دوچار نہیں ہوتا۔ بہت سے واقعات ہیں کہ بیوی کو طلاق دے دیتے ہیں، بعض مغلوب العقل حضرات خودکشی کر بیٹھتے ہیں، شدت غضب میں اپنا ہی سامان توڑ پھوڑ کرنے سے گریز نہیں کرتے۔“

نصیحت کی درخواست کی، آپ ﷺ نے غصہ سے بچنے کو فرمایا۔ میں نے اس میں غور کیا تو محسوس کیا کہ غصہ ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ (حوالہ سابق)

اہل علم نے نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان ں نے اپنے بچوں کو خاص طور پر غصہ کی کثرت سے منع فرمایا اور کہا: ''ایاک و کثرۃ الغضب'' (احیاء العلوم: ۳/۱۶۵) امام جعفرؒ کا قول منقول ہے کہ غضب ہر برائی کی کلید ہے۔ حضرت عمرؓ اکثر اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے تھے کہ جو شخص حرص، خواہش نفس اور غصہ سے بچ گیا وہ کامیاب ہوگیا۔ مشہور محدث عبد اللہ بن مبارکؒ سے دریافت کیا گیا کہ آپ ایک جملہ میں حسن اخلاق بیان فرمایئے۔ امام صاحب نے فرمایا: غصہ چھوڑ دو۔ (احیاء العلوم: ۳/۱۶۶)

اسی لئے غصہ کو پی جانے پر بڑا اجر ہے۔ حضرت معاذ بن انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص غصہ اُتارنے پر قادر ہو، اس کے باوجود وہ غصہ پی جائے، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن تمام مخلوقات کی موجودگی میں (از راہِ اعزاز) طلب فرمائیں گے اور اسے اختیار دیں گے کہ جس حور کا چاہے انتخاب کر لے۔ (ترمذی، حدیث نمبر: ۲۰۲۱) اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ غصہ پر قابو پانا اور غصہ کے وقت اپنے آپ کو عدل اور اعتدال پر قائم رکھنا آسان نہیں اور انسان کے اخلاق و رواداری کا اصل امتحان اسی موقع پر ہے۔ اسی لئے حضرت عبد اللہ بن مسعود نے خوب فرمایا کہ آدمی کی بردباری کو اس وقت دیکھو جب وہ غصہ کی حالت میں ہو اور اس کی امانت و دیانت کا اندازہ اس کی طمع و حرص کے مواقع پر۔ جس کو تم نے حالتِ غضب میں نہیں دیکھا، تم کو اس کی بردباری کا علم نہیں اور جس کو تم نے حرص و لالچ کے مواقع پر نہیں دیکھا، تم کو اس کی دیانت کی خبر نہیں۔ (احیاء العلوم)

حقیقت یہ ہے کہ غصہ کو پی جانا بہت بڑا عمل ہے اور جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا، نہایت ہی بہادری کا کام ہے؛ اسی لئے آپ ﷺ نے غصہ پر قابو پانے کی مختلف تدابیر بتائی ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کی ایک تدبیر یہ بتائی کہ ایسے وقت میں آدمی ''اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم'' پڑھے۔ ایک صاحب اتنا غضب ناک تھے کہ لگتا تھا کہ اب ان کی ناک پھٹ پڑے گی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں کہ اگر یہ کہے تو اس کا غصہ فرو ہو جائے۔ دریافت کیا گیا: وہ کیا کلمہ ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' (ابوداؤد، بخاری) وجہ اس کی ظاہر ہے کہ غصہ ایک شیطانی حرکت ہے، جب انسان اس موقع پر تعوذ پڑھے گا، تو اللہ کی مدد سے اس شیطانی حرکت پر غلبہ پالے گا، نفسیاتی اعتبار سے بھی اس کلمہ کو پڑھتے ہوئے آدمی کا ذہن اس جانب منتقل ہوتا ہے کہ وہ اس وقت شیطان کا آلہ کار ہے، اس خیال سے وہ خود کو موجودہ کیفیت سے بہ آسانی نکال سکے گا۔

غصہ پر قابو پانے کی ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ غصہ کے وقت انسان کچھ نہ بولے اور چپ سادھ لے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو خاموش رہے: ''اذا غضب احدکم فلیسکت'' (مسند احمد) کیوں کہ غصہ

کی حالت میں انسان جتنا زیادہ بولتا ہے، جوشِ غضب بڑھتا جاتا ہے اور اکثر اوقات ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جو خود اس کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے۔ غصہ کو روکنے کی ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ انسان اپنی موجودہ کیفیت میں تبدیلی لے آئے، کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔ رسول اللہ نے حضرت ابوذر غفاری ؐ کو غصہ کے وقت اس تدبیر کے اختیار کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ (ابوداؤد، عن ابی ذر غفاریؓ)

ابو وائلؒ ایک واعظ تھے، وہ عروہ بن محمد سعدیؒ کے پاس گئے۔ عروہؒ سے ایک شخص نے ایسی بات کہی کہ ان کو غصہ آ گیا، وہ اٹھ گئے اور وضو کر کے واپس آئے، پھر ایک حدیث بیان فرمائی کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: غصہ شیطان کی طرف سے ہے، شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، اس لئے جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وضو کر لینا چاہئے۔ (ابوداؤد) ---معلوم ہوا کہ وضو بھی غصہ پر قابو پانے میں ایک موثر طریقہ ہے۔ روحانی طور پر تو وضوء میں غصہ فرو کرنے کی تاثیر ہوگی ہی؛ کیوں کہ یہ ارشاد نبوی ﷺ ہے اور آپ ﷺ کے ارشاد سے بڑھ کر صحیح و درست بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ لیکن علاوہ اس کے نفسیاتی اعتبار سے بھی اس کو محسوس کیا جا سکتا ہے کہ پانی کی ٹھنڈک جسم کی حرارت، تکان اور غیر معتدل کیفیت کو دور کرنے اور معتدل بنانے میں بہت موثر ہوتی ہے۔ امام غزالیؒ نے کچھ اور تدبیریں بھی غصہ پر قابو پانے کی بتائی ہیں، ان میں یہ ہے کہ غصہ پر قابو پانے کے فضائل سے متعلق آیات و احادیث کو اپنی نگاہ میں رکھے، اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے، غصہ سے انجام کار عداوت و انتقام کی جو آگ فریق مخالف کے دلوں میں سلگے گی اس کو اپنے ذہن میں مستحضر کرے، غصہ کے وقت آدمی کی صورت میں جو بگاڑ آتا ہے اس کو ذہن میں لائے اور سوچے کہ گویا وہ اس کیفیت میں ایک کاٹ کھانے والے کتے اور حملہ کرنے والے درندے کی طرح ہے وغیرہ۔ (احیاء العلوم)

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام تدابیر کا حاصل اور غصہ پر قابو پانے کا سب سے موثر ذریعہ خدا کا خوف ہے، خدا سے بے خوفی انسان کو ظلم پر جری بناتی ہے اور خدا کا خوف انسان کے بے قابو جذبات کو تھام لیتا ہے۔ حضرت عمرؓ ان لوگوں میں تھے جن کو زیادہ غصہ آتا تھا؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ احکام خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے میں بھی ان کی کوئی مثال نہیں تھی۔ ایسا بھی ہوا کہ آپ نے کسی شخص کو اس کی غلطی کی بناء پر کوڑے لگانے کا حکم دیا، اس نے آیت قرآنی پڑھ دی کہ ''اے نبی ﷺ، نرمی و درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کئے جاؤ، اور جاہلوں سے نہ الجھو۔'' (الاعراف: ۱۹۹) تو حضرت عمرؓ نے ایک لمحہ غور فرمایا اور اس کو چھوڑ دیا۔ (احیاء العلوم) اگر سینہ میں خوفِ خدا کی آگ موجود ہو، تو وہ غصہ کی آگ کو کھا جائے گی اور اگر دل خوفِ الٰہی سے خالی ہو تو غصہ کی آگ اسے کھا جائے گی، دنیا میں اور آخرت میں بھی، غصہ برائیوں کی جڑ ہے اور غصہ پینا سب سے بڑی بہادری۔

غیر مسلم مصنفین کی اسلامی وادبی خدمات

ترجمہ قرآن کی روشنی میں

.... ● ڈاکٹر کمال اشرف قاسمی

تاریخ شاہد ہے کہ جب اسلام جزیرہ عرب سے نکل کر دنیا کے ذرے ذرے کو روشن کرنے لگا تو اسی کے ساتھ عربی زبان و ادب بھی دنیا کے گلی کوچے میں دستک دینے لگی اور ہندوستان اس سے اچھوتا نہیں رہا، قابل غور معاملہ یہ تھا کہ عربی زبان وادب عرب کے علاوہ تمام دنیا بشمول متحدہ ہندوستان (ہندو پاک اور بنگلہ دیش) میں بولی اور سمجھی نہیں جاتی تھی، قرآن کے تراجم غیر عربوں کی اہم ترین ضرورتوں میں آج بھی غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں تا کہ قرآن حکیم کو براہ راست سمجھ سکیں اور اس کے حکیمانہ کلام سے لطف اندوز ہوسکیں، نیز مالک حقیقی سے مضبوط رشتہ قائم کرسکیں۔

اس کے علاوہ ہندوستان جیسے مختلف الخیال ملک میں ایک بڑی تعداد ہمارے غیر مسلم ہم وطنوں کی بھی ہے، جو کتاب اللہ کو علمی مذاکرہ و مباحثہ سمجھنا چاہتے ہیں، انہیں ضرورتوں کے مدنظر قرآن کریم کا دنیا کی اکثر و بیشتر زبانوں میں عام طور پر اور ہندوستانی زبانوں میں خاص طور پر ترجمہ ہو چکا ہے، تا کہ وہ لوگ بھی اس سے مستفید ہوسکیں، جو عربی زبان و بیان نہیں جانتے، مسلمان ہوں یا غیر مسلم، قرآن مجید کو اپنی مادری زبان میں سمجھ سکیں، اور اس سے پوری طرح واقف ہوسکیں اور چونکہ ہمارا مطمح نظر غیر مسلم بھائیوں کی اسلامی ادبی خدمات: ترجمہ قرآن کی روشنی میں، لہذا ان چند اوراق میں انہیں تراجم کا ذکر کیا جائیگا، جو ہمارے غیر مسلم ہم وطنوں نے کیا ہے۔

سرزمین ہند میں قرآن کا سب سے پہلا ترجمہ

ہندوستانی سرزمین میں قرآن کریم کا سب سے پہلا ترجمہ 1883ء میں ہوا۔ بزرگ بن شہریار کی تحریر کی روشنی میں یہ ترجمہ ایک ہندو عالم نے پنجاب وسندھ کے راجہ مہروک بن رائق کے لئے کیا تھا، قرآن کا یہ ترجمہ مکمل نہیں تھا۔ مترجم صرف سورہ یٰس تک ہی پہنچ سکا۔ یہ ترجمہ کس زبان میں تھا تعین نہیں ہوسکا، مگر ممکن ہے کہ یہ ترجمہ سنسکرت زبان میں ہو۔

سنسکرت زبان میں قرآن کا ترجمہ

سنسکرت (Sanskrit) زبان جو ہندوستان کی تمام زبانوں کی ماں کی حیثیت رکھتی ہے، اس زبان میں قابل قدر کوشش ستیہ دیو ورما کی ہے، جنہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ میں ''سنسکرتم قرانم'' (Sanskritam Quranam) کے نام سے کیا ہے اور 1990ء میں دلی سے شائع ہوا ہے، لہذا اپنے مقدمہ مین جناب ورما نے مختلف مذہبی موضوعات کی ایک فہرست دی ہے، مثلاً وحدت الٰہی، صفات باری تعالیٰ، مذہب کا ارتقاء، ضلالت کی انتہاء، عذاب کا اخلاقی پہلو، انتقال ارواح

وغیرہ، بقول موصوف ''یہ ایسے موجوعات ہیں، جو اسلام اور دیگر مذاہب میں قدرے مشترک ہیں، بایں معنی کہ وید اور قرآن کی تعلیمات ان موضوع سے متعلق ملتی جلتی ہیں''۔

قرآن کا ہندی ترجمہ

ہندی کے مشہور شاعر بھارتیندو ہریش چندر (پیدائش 19/ستمبر 1850ء وفات 6/جنوری 1886ء بمقام وارانسی) نے قرآن کا ترجمہ شروع کیا تھا، یہ ترجمہ ہریش چندر میں 1877ء میں شائع ہونا شروع ہوا تھا، مگر پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا، موصوف کے قرآنی ترجمہ کے علاوہ ایسی تحریریں بھی موجود ہیں، جن کا براہ راست قرآن کریم سے تعلق ہے، ایک تصنیف '' QURAN KHUDA PHILOSOPHY'' کے نام سے ہے، اس میں انہوں نے براہ راست قرآن کے مختلف تصورات کا جائزہ لیا ہے، مثلا روح، خدا کی نوعیت، عقل، علم، وحدت الٰہی اور خدا کی صفات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، اوران تمام مفاہیم کی تشریح قرآنی آیات کی روشنی میں کی ہے، مصنف کے مطابق قرآن کسی قدامت پسند نظام کی وکالت کرتا ہے، نہ اس میں دقیانوسیت ہے، بلکہ ہر زمانہ اور ہر قوم کے لئے اس کی معنویت مسلم ہے، وہ قوم چاہے مہذب ہو یا غیر مہذب قرآن کا پورا فلسفہ معنویت پسندی پر مبنی ہے، اس کی اخلاقی قدریں مضبوط بنیادوں پر قائم ہیں، ہر وہ چیز بنی نوع انسان کے لئے نقصان دہ ہے، وہ قرآن کی نگاہ میں اخلاق کے منافی ہے۔

جناب کنہیالال لکھداری کا ایک ترجمہ 1882ء میں دھرم سبھا لدھیانہ سے شائع ہوا جو 415 صفحات پر مشتمل تھا، موصوف لکھداری نے اپنے ترجمے میں شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے ترجمے سے استفادہ کیا، یہ ترجمہ سردار جگوت سنگھ نوریا اور انجیت سنگھ کی فرمائش پر کیا گیا تھا، اسی طرح سندھ کے وشنداس کا بھی ترجمہ مشہور ہے، وشنداس کا تعلق صوفی سلسلہ ''پنت'' سے تھا۔

بقول پروفیسر شیث محمد اسماعیل اعظمی ''عہد عالم گیری میں زیب النساء کے حکم پر جو ہندی ترجمہ کیا گیا تھا، اس کا مترجم ایک ہندو تھا، جس کا نام معلوم نہ ہوسکا''۔

تحریک بھودان کے روح رواں پنڈت وینوا بھاوے، (جن کے نام سے جھارکھنڈ کے ضلع ہزاری باغ میں بہت عالی شان یونیورسٹی قائم ہے) نے بھی قرآن کریم کی ایک ہزار آیات سے کہیں زیادہ انتخاب ''روح القرآن'' کے نام سے مرتب کیا تھا، جس کا ہندی ترجمہ ''قرآن سار'' کے نام سے شائع ہوا تھا۔

پنڈت موصوف کے مرتب شدہ ہندی ترجمہ ''روح القرآن'' کو کچھ حذف واضافہ کے ساتھ '' The essence of Quran'' کے نام سے اکھل سیوا سنگھ بنارس نے 1962ء میں شائع کیا ہے، پنڈت جی نے قرآن کا مطالعہ تقریبا پچیس سال کیا، زیر بحث کتاب اسی فکر کا نتیجہ ہے، MM picthal کے انگریزی ترجمہ کو اس میں شامل کیا گیا ہے، ان تمام منتخبہ آیات کو مصنف نے مختلف عناوین کے تحت مزین کیا ہے، تا کہ قرآن کا پیغام واضح ہو سکے، یہ سارے موضوعات 255 صفحات کو احاطہ کئے ہوئے ہیں، یہ تحریر مراٹھی زبان میں ہے، جو مصنف کی مادری زبان تھی، جس کے نیچے انگریزی ترجمہ دیا گیا، اس تحریر کا مقصد مصنف کے الفاظ میں صرف اور صرف تالیف قلب ہے۔

ماسٹر رام چندر کی شخصیت محتاج تعارف نہیں،19 ویں صدی میں ان پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے،آپ کا شمار ممتاز آریہ سماج قائدین میں ہوتا ہے،عربی زبان وادب کے اسکالر سمجھے جاتے ہیں، موصوف کا قرآنی ترجمہ 1943ء میں شائع ہوا ،اس میں پبلیشر کا نام موجود نہیں ہے، پورا ترجمہ صرف 36 صفحات پر مشتمل ہے اور ایک ضمیمہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ماسٹر موصوف نے قرآن کے کچھ ایسے اجزاء کا ترجمہ کیا ہے،جن کا ترجمہ سوامی دیانند سرسوتی نے اپنی بدنام زمانہ تصنیف''ستیاتھ پراکاش'' کے نام سے کیا تھا، شاید ماسٹر رام چندر نے یہ ترجمہ مسلمانوں کی تالیف قلب کے لئے کیا، کیونکہ ستیاتھ پراکاش قرآن کا ایک ایسا ناقص ومہمل اور بے سروپیر کا ترجمہ تھا، جسے وقت کے دانشوروں نے سرے سے خارج کر کے کوڑے دان کے نذر کردیا تھا،اور ترجمہ اپنا عملی ،ادبی وتخلیقی وقار بحال کرنے میں ناکام ہوگیا تھا،اس ترجمہ کو''ستیاتھ پراکاش '' کا تصحیح شدہ نسخہ سمجھا جا سکتا ہے، ماسٹر موصوف نے ترجمہ میں قرآنی آیات کو رعربی متن کے علاوہ ہندی، دیوناگری رسم الخط میں بھی لکھا، خالص ہندی اور سنسکرت الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے، یہ نسخہ آریہ سماج لائبریری ، دریا گنج ، دہلی ، اور پنڈت کنیا سبھا ودیا کالج ، بنارس میں موجود ہے۔

ان کے علاوہ ہندی میں محترم ونے کمار اوستھی نے تفسیر ماجدی کو اپنا محور بنا کر کیا ، اور اس ترجمہ کا نام'' قرآن شریف۔تفسیر ماجدی'' رکھا گیا، جولکھنؤ کے کتاب گھر نے 1983ء میں شائع کیا ہے،اس کی پہلی جلد 512 صفحات پر مشتمل ہے۔

موصوف مولانا عبد الماجد کی تفسیر سے کافی متاثر تھے،اور شاید اسی وجہ سے ہندی ترجمہ کے لئے انہوں نے اس تفسیر کا انتخاب کیا،اوستھی صاحب کے والد نند کمار اوستھی نے بھی قرآن کا ہندی نسخہ 1949ء میں شائع کروایا تھا، جس میں متن کو عربی کے علاوہ ہندی دیوناگری میں بھی لکھا گیا تھا، اس ترجمہ میں انہوں نے اردو اور انگریزی کی مستند تفاسیر سے استفادہ کیا تھا، غرض یہ کہ اپنے والد کی کوششوں اور ان کی تعریف و توصیف کو دیکھتے ہوئے ونے کمار اوستھی نے بھی ترجمہ قرآن کی طرف قدم بڑھایا۔

اسی طرح قرآن کا ہندی ترجمہ پریم سرنت نے کئی جلدوں میں کیا، مقدمہ میں یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ مترجم کو کچھ نا مساعد حالات کے پیش نظر صرف ۳/جلدوں پر اکتفاء کرنا پڑا لیکن فقط ۲/جلدیں پہلی اور تیسری آریہ سماج لائبریری بنارس میں موجود ہے، پہلی جلد سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ ، اور تیسری جلد میں سورہ مائدہ اور سورہ انعام کا ذکر ہے۔

ان کے علاوہ پنڈت رگھوناتھ پرشاد اس میدان کے شہسوار ہیں، آپ کا شمار عربی زبان وادب کے بڑے اسکالروں میں ہوتا ہے،اور غالب گمان یہ ہے کہ قرآن کا ترجمہ انہوں نے براہ راست عربی زبان سے کیا ہے، پنڈت موصوف کے دل و دماغ میں پہلے ہی سے اسلام کے خلاف غبار بھرا ہوا تھا، اسی لئے یہ غبار ونفرت قرآنی ترجمہ کے شکل میں ظاہر ہوا۔

بنگال کی سرزمین پر قرآن کریم کا بنگلہ ترجمہ:

سرزمین بنگال میں کچھ ایسی نایاب شخصیتیں ہیں، جنہوں نے قرآن کریم کا ترجمہ بحسن وخوبی انجام دیا، ان میں سر

فہرست گریش چندر سین (Grishchandar sen,Dhaka:1910-1835) ہیں، آپ کے ہاتھوں قرآن کا پہلا بنگلہ ترجمہ منظر عام پر آیا، انہوں نے کتاب اللہ کا ترجمہ ۳/جلدوں میں کیا، جو 1881ء سے 1884ء کے درمیان شائع ہوا، اس ترجمہ میں عربی متن موجود نہیں ہے، آپ برہموں سماج کے مبلغ تھے، اصلاً آپ کا مشرقی پاکستان سے تعلق تھا، وحدت ادیان کے بہت بڑے حامی تھے، آپ اس کام پر اپنے گرو اور رہنما ''کیشب چندر سین'' جو ماڈرن بنگال کے معمار سمجھے جاتے ہیں، کے ذریعہ مامور کئے گئے تھے، آپ کی تعلیم ڈھاکہ شہر، جواب بنگلہ دیش کی راجدھانی کہلاتی ہے، کے ایک مدرسہ میں ہوئی تھی، گویا کہ آپ فاضل مدرسہ تھے۔

موصوف نے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ پر ''کتاب نبی حبیبی'' بھی تصنیف کی، فاضل مدرسہ ہونے کی وجہ سے قرآن و سنت پر بڑی اچھی نظر تھی، آپ مولوی گریش چندر کے نام سے بھی کافی مشہور ہیں، ان کے علاوہ بھی بنگال کی سرزمین میں متعدد ایسی شخصیات ہیں، جنہوں نے قرآن کریم کا جزوی ترجمہ کیا ہے، بعض نے ترجمہ شدہ سورتوں کو ان کے تفسیر کے ساتھ اور بعض دوسروں نے بغیر تفسیر کے شائع کیا ہے، اس قسم کے ترجمہ کرنے والوں مین جناب تاراچرن بنرجی کا نام سرفہرست ہے، آپ کی کوشش 1882ء میں منظر عام پر آئیں۔

بنگلہ زبان میں تقریباً 42 ترجمے شائع ہو چکے ہیں، جن میں 15 ترجمے مکمل اور 27 جزوی شکل تھے، ان میں دو ترجمے عیسائی پادریوں اور ایک برہمی دھرم پنڈت کے حکم سے تھا۔ مذکورہ بالا اوراق میں ہندوستانی غیر مسلم ہم وطنوں کی قرآنی خدمات کا ایک مختصر جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے، اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اکثر غیر مسلم دانشور جو قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں اسلام قبول نہیں کرتے، قرآن ایسی کتاب ہدایت ہے کہ عرب کے بدؤوں نے سنا تو اسلام کے دامن صداقت میں پناہ لے لی، مگر یہ غیر مسلم اسکالر کیوں نہیں ایسا کرتے؟ عرب بدؤوں کے سامنے ان صحابہ کی زندگی تھی، جو قرآن وحدیث کے پیکر ہوتی تھی، اور آج کے غیر مسلموں کی نگاہ میں ہم جیسے فاسق و فاجر ہوتے ہیں، لہذا ان سب اسباب کا جائزہ لینا علماء اور وقت کے مفکرین کی بڑی ذمہ داری ہے۔

آخر میں دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری انسانیت کو ہدایت اور صحیح فکر وعمل نوازیں اور ہم مسلمان کو صالح عقیدہ اور عمل صالح کے ساتھ ساتھ تلاوت قرآن، حلاوت ایمان اور فہم قرآن عطاء فرمائے۔ (آمین)

کتابیات:

۱۔تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات، مولانا علی میاں ندویؒ

۲۔ہندو مسلم تعلقات کی خوشگوار یادیں، ڈاکٹر محمد احمد فلاحی

۳۔قرآن مجید اور عصر حاضر، مولانا رحمانی

4. Dr. wazeer hassan , The study of the quran by non -Muslim scholars in India, Adam Publishers , New Delhi 2006

تحریک دیوبند کے تناظر میں

مفتی محفوظ الرحمن عثمانی

24 ستمبر 1857ء کے بعد برصغیر میں برپا ہونے والی تحریکیں اور اس کے عالمی اثرات

"اس کے سینے میں خدا کا آخری پیغام تھا"

ہندوستان کی تاریخ کا سب سے المناک اور افسوناک دور 1857ء کا ہے جب مغلیہ سلطنت کا سورج غروب ہوگیا۔ ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے بجائے براہ راست ملکہ وکٹوریہ کی حکومت قائم ہوگئی اور برادران وطن سمیت یہاں کے مسلمانوں کی زندگی غلامی کی زنجیر میں جکڑ گئی۔ اس کے بعد انگریزوں نے ہندوستانیوں پر ظلم وستم کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کردیا۔ ہر طرف قتل وغارت گری اور خوں ریزی کا بازار گرم ہوگیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ 1857ء کے بعد تقریباً پانچ لاکھ سے زائد ہندوستانی عوام کا قتل کیا گیا۔ ہر بڑے شہر میں سولی خانہ بنایا گیا تھا ہر چلتے پھرتے ہندوستانی کو سولی پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ انگریزوں کے اس مظالم کے شکار سب سے زیادہ مسلمان تھے۔ کیونکہ انگریزوں کو یہ یقین تھا کہ وطن کی محبت میں جان دینے کا جذبہ اگر کسی قوم میں ہے تو وہ مسلمان ہے۔ اگر کسی میں ہم سے ٹکرانے کی جرأت اور ہمت ہوسکتی ہے تو وہ مسلمان ہی ہے، اس لئے انہوں نے براہ راست مسلمانوں کو نشانہ بنانا شروع کردیا۔ چوطرفہ محاذ کھول دیا۔ ان میں سے ایک محاذ یہ تھا کہ بے دریغ ہندوستانی علماء کے قتل عام کا دروازہ کھول دیا۔ ہر طرف علماء کرام اور آزادی کے جذبہ سے سرشار مسلمانوں کی گرفتاری اور ان کے قتل کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا جانے لگا۔ ایک انگریز مورخ لکھتا ہے کہ "ستائیس ہزار سے زائد اہل اسلام نے پھانسی پائی، سات دن برابر قتل عام رہا، اس کا حساب نہیں، اپنے نزدیک گویا نسل تیموری کو نہ رکھا، مٹا دیا، بچوں تک کو مار ڈالا، عورتوں سے جو سلوک کیا بیان سے باہر ہے، جس کے تصور سے دل دہل جاتا ہے" (قیصر التواریخ، جلد دوم، ص: ۴۵۴)

ایک اور مورخ نے لکھا ہے کہ ہر ایک انگریز کا یہ مزاج ہوگیا تھا کہ وہ ہر مسلمان کو باغی سمجھتا تھا، ہر ایک سے پوچھتا تھا ہندو ہو یا مسلمان جواب میں مسلمان سنتے ہی گولی مار دیتا تھا۔ مختصر یہ کہ انتہائی بے دردی سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹایا گیا۔ چاندنی چوک سے لاہور تک حتی کہ جی ٹی روڈ کے کنارے ہر درخت پر علماء کی لاشیں ہی لٹکی ہوئی تھیں۔ جامع مسجد کی سیڑھیاں خون میں تربتر تھیں۔

دوسری طرف عیسائیت کی تبلیغ انتہائی زور وشور سے شروع کی گئی۔ ہندوستانی مسلمانوں کے جسمانی قتل کے ساتھ ان کے روحانی قتل کا منصوبہ بھی تشکیل دیا گیا۔ انگریزوں کے اس خطرناک منصوبہ کا اندازہ برطانوی پارلیمنٹ کی اس تقریر سے لگا جاسکتا ہے: "خداوند تعالی نے یہ دن دکھایا ہے کہ ہندوستان کی سلطنت انگلستان کے زیر نگیں ہے، تاکہ عیسی مسیح کا جھنڈا

ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے ،ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنا چاہئے ،اور اس میں کسی طرح کا تساہل نہیں کرنا چاہئے''

ہندوستان کو عیسائیت میں تبدیل کرنے کا ناپاک منصوبہ تھا جس کی پلاننگ انگلینڈ میں کی گئی اور پوری مستعدی کے ساتھ ہندوستان میں اس کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ علاقائی پادریوں کے علاوہ تقریباً ایک ہزار کے قریب ولایتی پادری عیسائیت کی تبلیغ میں مصروف عمل تھے جو کھلے عام عیسیٰ مسیح کے مذہب کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ہندوستان کی غریب عوام کو پیسہ اور مفت رہائش وتعلیم کی لالچ دے کر ان کے سابق مذہب سے عیسائیت میں لا رہے تھے ۔فروغ عیسائیت مشن کے لئے ایک ملکی فوج بھی قائم کی گئی تھی جس کے اسی دستے ہمہ وقت ان کی امداد پر معمور رہتے تھے۔

انگریزوں کا تیسرا منصوبہ ہندوستان کے نظام تعلیم میں تبدیلی کا تھا جو بقیہ دو سے زیادہ خطرناک اور منظم تھا۔ انگریزوں کا یہ منصوبہ نظام تعلیم میں تبدیل کر کے ہندوستانی عوام بشمول مسلمانوں کو تعلیم یافتہ بنانا نہیں، بلکہ ان کے ذہن و دماغ میں ہندوستانیوں کے سابقہ مذاہب سے نفرت و دوری اور عیسائیت کو سمونا تھا۔ چنانچہ انگریز ماہر تعلیم میکالے کی رپوٹ کا یہ جملہ انگریز کے پورے ناپاک منصوبہ کو سمجھنے کے لئے کافی ہے'' ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہئے جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق، رجحان، رائے الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو'' 12 اکتوبر 1836ء میں میکالے نے اپنی والدہ کے نام ہندوستان سے لندن لکھے گئے خط میں اپنے منصوبہ کے بارے میں کچھ یوں وضاحت کرتا ہے'' اگر میرے تعلیمی منصوبے پر پوری طرح عمل کیا گیا تو مجھے یقین ہے کہ زیادہ سے زیادہ تیس سال کے بعد ایک بھی بت پرست غیر عیسائی نہیں رہے گا''

انگریزوں نے ہندوستان پر اپنی پائیدار حکومت اور اقتدار کی بقاء کے لئے تمام میدانوں میں کام کر رہے تھے وہ کوئی ایسا گوشہ نہیں چھوڑنا چاہ رہے تھے جو کبھی آئندہ ان کی راہ میں حائل ہو جائے اور ہندوستان کو چھوڑنا پڑے، اس درمیان ان کی سب سے زیادہ توجہ مغربی کلچر کو فروغ دینے اور فحاشیت وعریانیت کو بڑھاوا دینے پر تھی۔ انگریزی مشنری مسلمانوں اور ہندوؤں کے دل ودماغ سے حب الوطنی کے جذبہ کو ختم کرنے پر سب سے زیادہ توجہ مبذول کئے ہوئے تھی۔ ان کی واضح حکمت عملی یہی تھی کہ جب تک مسلمانوں کی فکر میں تبدیلی پیدا نہیں ہوگی ۔ جب ان کا مزاج نہیں بدلے گا جب تک ان کے ذہن ودماغ میں اسلامی کلچر، قرآن کریم کی تعلیمات، رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور صحابہ کرام کی عملی زندگی گردش کرتی رہیں گی اس وقت تک یہ ہمارے خلاف اپنی جنگ لڑتے رہیں گے۔ اس لئے انہوں نے شہ رگ پر سب سے زیادہ زوردار حملہ کیا اور تعلیم کے بہانے اسلامی افکار کی جگہ عیسائی افکار کو فروغ دینے پر پوری توجہ مبذول کر دی جس کا اظہار خود میکالے کی زبان میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ تاریخ بھی گواہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں پر زوال آیا تو اس کی بنیادی وجہ فکری زوال ثابت ہوئی۔

لیکن انگریزوں کے اس منصوبہ کو مسلمانوں نے ناکام

بنانے کی کوشش اولین دن سے ہی شروع کردی تھی۔انگریزوں کو اقتدار سے بے دخل کرنے ،اور وطن عزیز میں اسلامی روایات کے تحفظ کی خاطر اور شاملی کے میدان میں مردان خدا کی پسپائی۔ جس میں خود حضرت نانوتویؒ شریک تھے، کے بعد اسلامی جہاد کا نعرہ لگایا گیا، چنانچہ ایک عظیم تحریک وجود میں آئی جو آگے چل کر کئی تحریکوں کا سرچشمہ بنی۔1526ء میں سلطان ظہیر الدین بابر نے پانی پت کے میدان میں سلطان ابراہیم لودھی کو شکست دے کر سلطنت مغلیہ کی بنیاد ڈالی جس سے دنیا بھر میں ہندوستان کو منفرد شناخت ملی اور 1857ء تک بلا شرکت غیر یہ سلطنت قائم رہی لیکن اسی سلطنت مغلیہ کے عظیم حکمراں حضرت اورنگزیب عالم گیر رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ہی گھن لگ گیا اور بہادر شاہ ظفر پر جاکر مغلیہ سلطنت کا سورج ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔اس المناک سانحہ کے بعد مفکر انسانیت حجۃ الاسلام الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی قیادت میں ہندوستانی مسلمانوں کی ایک نئی تحریک وجود میں آئی جسے دنیا تحریک دیوبند کے نام جانتی ہے۔

حجۃ الاسلام الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی قیادت میں انگریزوں کے خلاف دو محاذ پر جنگ لڑی گئی، مگر بعض ظاہری اسباب کی وجہ سے کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوسکی۔لیکن مسلمانان ہندان حالات سے دل برداشتہ نہیں ہوئے۔ حجۃ الاسلام الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے حالات سے مایوس ہونے کے بجائے انگریزوں کے خلاف اپنی لڑائی جاری رکھی اور دو محاذ پر سب سے زیادہ توجہ دی، پہلا محاذ ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنا اور اس کے لئے تدابیر اختیار کرنا تھا۔ چنانچہ حضرت امام نانوتویؒ کی وہ تحریک کامیاب ہوئی اور 15 اگست 1947ء کی وہ تاریخ آئی جب 90 سال کے بعد انگریزوں کو یہ ہندوستان چھوڑ کر جانا پڑا ۔دوسرا محاذ جس پر حضرت امام نانوتویؒ نے سب سے زیادہ توجہ مبذول کی وہ ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے اسلامی شعار اور مذہب وثقافت کو جوں کا توں برقرار رکھنا تھا چنانچہ میکالے کے جواب میں حضرت امام نانوتویؒ نے اپنا یہ تاریخی جملہ فرمایا کہ ”ہم ایسے افراد تیار کرنا چاہتے ہیں جو رنگ ونسل کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہو مگر ذہن وفکر کے اعتبار سے اسلامی ہو“۔اس فکر کو پروان چڑھانے کے لئے حضرت امام نانوتویؒ نے سب سے پہلے 15 رمحرم الحرام 1283ھ مطابق 30رمئی 1866ء میں ازہر الہند دارالعلوم دیوبند قائم کیا، اور اس تحریک کا پہلا سبق مسجد چھتہ کے کھلے صحن اور انار کے درخت کے نیچے پڑھا گیا، جس سبق کا استاذ بھی محمود اور شاگرد بھی محمود دیوبند میں شیخ الہند کے مبارک لقب سے ملقب ہوئے۔تحریک دیوبند خیرامت کا یہی وہ تجدیدی عمل ہے، جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سورش کاشمیری نے کہا تھا:

اس کے سینے میں خدا کا آخری پیغام تھا
وہ خدا کی سرزمین پر حجۃ الاسلام تھا

حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ اور جماعت دیوبند کے مربی ومرشد سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو اس مدرسہ کے قیام کی جب اطلاع دی گئی تو آپ نے فرمایا،،آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے،خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سر بسجود ہوکر گڑگڑاتی رہیں کہ خداوند ہندوستان

میں بقائے اسلام اور تحفظ علم کا کوئی ذریعہ پیدا کر، یہ مدرسہ انہی سحر گاہی دعاؤں کا اثر ہے' حاجی صاحب نے یہ دعا بھی فرمائی،، اے اللہ اس ادارے کو اسلام اور دین کی حفاظت کا ذریعہ بنا''

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کا مقصد صرف دینی تعلیم دینا نہیں تھا بلکہ اس ادارے کے قیام کا مقصد برصغیر میں ایک نئی تحریک کو جنم دینا تھا۔ اہل وطن اور با الخصوص مسلمانوں کے درمیان حب الوطنی کا جذبہ پید اکرنا، مسلمانوں کو اپنے اسلامی شعار پر برقرار رکھنا، اسلامی تہذیب و ثقافت کی حفاظت، مذہبی علوم کی اشاعت اور پھر انگریزوں کے استبدادی نظام سے نجات پانے کی راہ اپنانا۔ جیسے جیسے وقت گذرتا گیا دارالعلوم دیوبند کو اپنے مقصد میں کامیابی ملنی شروع ہوگئی۔ اس تحریک کے بعد کئی ایک تحریکیں وجود پذیر ہوئیں۔ یہ تاریخی آشکارا کرتا چلوں کہ تحریک جامعہ علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ، خلافت، امارت شرعیہ، جمعیۃ علماء، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور دیگر تحریکات تحریک دیوبند سے ہی حوصلہ پاکر وجود پذیر ہوئیں ہیں، بادی النظر میں اگر باریکی سے آپ دیکھیں گے تو محسوس ہوگا کہ ہر ایک تحریک کا پس منظر تحریک دیوبند سے ہی وابستہ ہے اور ان سب نے تقریباً اسی چشمۂ نور سے روشنی حاصل کی ہے جو حضرت امام نانوتویؒ نے تحریک دیوبند کے آغاز میں کہا تھا کہ ہمارا مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے جو رنگ و نسل کے لحاظ سے ہندوستانی اور ذہن و دماغ کے لحاظ سے اسلامی ہوں۔

ان تمام جدوجہد میں ہندوستان میں دوبارہ مسلمانوں کا اقتدار تو بحال نہ ہوسکا، لیکن تحریک دیوبند نے اپنی کوششوں سے انگریزوں کے ناپاک منصوبہ اور طویل اقتدار کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہونے دیا اور نہ ہی ہندوستان کو اندلس بنانے کا ان کا منصوبہ کامیاب ہوسکا۔ دارالعلوم دیوبند نے ایسے رجال کار تیار کئے جنہوں نے انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور ہندوستان کے مسلمانوں کا دینی شعار اور اسلامی کلچر بھی برقرار رہا۔ آج اگر ہندوستان میں اسلامی تہذیب و تمدن نظر آتا ہے۔ مساجد کی میناروں سے اذان کی آوازیں آتی ہیں۔ مدارس سے قال اللہ و قال الرسول کی صدا سنائی دے رہی ہے، خانقاہوں سے بھی تزکیہ نفس کا عمل جاری ہے اور مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے دین و مذہب پر عمل پیرا ہیں تو یہ اسی تحریک دیوبند کا نتیجہ ہے (اللہ تعالیٰ اس تحریک کو تا قیامت باقی رکھے آمین۔)

حضرت امام نانوتویؒ زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکے؟ لیکن ۴۹ رسال کی قلیل مدت میں انہوں نے ان محاذ پر کام کرنے کے ساتھ کچھ ایسے افراد ضرور تیار کر دیئے جنہوں نے آگے چل کر تحریک دیوبند کو عالمی تحریک میں تبدیل کر دیا اور ہندوستان سے آگے قدم بڑھا کر خلافت عثمانیہ کی بقا تک کے لئے تحریک دیوبند نے کام کرنا شروع کر دیا۔ تحریک دیوبند کو جن بزرگوں نے آگے بڑھایا ان میں سید الطائفہ حاجی امداداللہ مہاجر مکی، مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپور، مولانا مظہر نانوتوی، امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مولانا محمد منیر نانوتوی، مولانا احسن نانوتوی، حافظ ضامن شہید، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، حکیم الامت مولانا اشرف

علی تھانوی، مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری، امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی، محدث عصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مفتی اول مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی، مجاہد فی سبیل مولانا محمد میاں دیوبندی، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد، رئیس القلم مولانا مناظر احسن گیلانی، علامہ سید سلیمان ندوی، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مفتی اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، داعی الی اللہ مولانا محمد الیاس کاندھلوی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی، رئیس التبلیغ مولانا محمد یوسف کاندھلوی، حضرت جی مولانا انعام الحسن کاندھلوی، علامہ ظفر احمد عثمانی، شیخ محمد محدث تھانوی، امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب، مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی، قاضی القضاۃ قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، امیر شریعت مولانا سید نظام الدین رحمہم اللہ وغیرہم کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔

آزادی کے بعد جب مسلمانوں پر مذہبی یلغار ہونے لگی تو اسی تحریک سے فیض پاکر مسلک ومشرب سے بالاتر ہوکر ہندوستانی مسلمانوں کا ایک متحدہ پلیٹ فارم آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ 1972ء میں وجود میں آیا جس کی تشکیل میں بھی فضلاء دارالعلوم بالخصوص حکیم الاسلام قاری محمد طیب، امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی اور امیر شریعت مولانا سید نظام الدین رحمہم اللہ نے خصوصی کردار ادا کیا، اس عظیم کام کیلئے ان بزرگوں کو تاریخ ہمیشہ خراج تحسین پیش کرتی رہے گی۔

آج شمال سے لیکر جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک تحریک دیوبند مختلف شکلوں میں سرگرم ہے۔ دنیا کی سیر کرنے والوں کا کہنا ہے کہ ہم جہاں بھی گئے وہاں دینی اور ملی کام کرنے والوں میں مصروف افراد سے ان کے تعلقات کا پتہ لگایا تو یہی معلوم ہوا کہ یہ بالواسطہ یا بلا واسطہ تحریک دیوبند سے وابستہ ہیں، اور فکر دیوبند کی تحریک کے زیر سایہ اسلامی دینی اور نبوی اقدار کو دنیا بھر میں عام کررہے ہیں۔ الحمد للہ خود مجھے اب تک دنیا کے 66 ملکوں میں جانے کا موقع ملا ہے، ان ملکوں میں جن دینی شخصیات سے میری ملاقات ہوئی ان کے افکار وخیالات، طرز زندگی اور کام کرنے کے طور طریق کو دیکھا تو اس سے میں نے بھی یہی محسوس کیا کہ ان جگہوں پر دینی ومذہبی فکر کو فروغ دینے والے حضرات تحریک دیوبند سے کسی نہ کسی شکل میں وابستہ ہیں اور مختلف انداز میں ملت کے جیالے اسی ولی اللہی فکر کو عام کررہے ہیں جس کی تجدید حجۃ الاسلام الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے تحریک دیوبند کی شکل میں کی، امام حرم مکی شیخ سعود ابراہیم الشریم حفظہ اللہ نے بھی دارالعلوم دیوبند میں تشریف آوری کے موقع پر اس حقیقت کا مجمع عام میں اعتراف کیا تھا ''ہندوستان میں اسلامی اقدار کا فروغ دارالعلوم دیوبند کی مرہون منت ہے''۔ شاید علامہ ڈاکٹر اقبالؒ نے دارالعلوم دیوبندی کی انہیں خدمات جلیلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ:

اٹھائے کچھ ورق لالہ نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہرطرف بکھری ہوئی داستاں میری

تربیتِ اولاد اور والدین کی خواہشات

علامہ ابتسام الٰہی ظہیر

اولاد انسان کی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اولاد کی قدر صحیح معنوں میں وہ لوگ پہچانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے محروم ہیں۔ اولاد کی عدم موجودگی میں گھر ویران ہو جاتا ہے اور اولاد کی وجہ سے گھر میں رونق اور بہار آ جاتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں عام طور پر اولاد سے بہت زیادہ توقعات وابستہ کی جاتی ہیں۔ اولاد کو بہتر مستقبل کی علامت اور بڑھاپے کا سہارا تصور کیا جاتا ہے۔ والدین کے اولاد پر بہت زیادہ احسانات ہوتے ہیں اور ان کو اولاد سے اچھی امیدیں اور توقعات وابستہ کرنے کا حق بھی ہے لیکن ان توقعات کی تکمیل کے لئے والدین کو اپنی ذمہ داریوں کا ادراک کرنا ہوگا۔ دور حاضر کے والدین اپنی ذمہ داریوں کا کماحقہ احساس نہیں کرتے۔ ان کی غفلت کی وجہ سے جب اولاد ان کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے تو اس وقت ان کو کف افسوس ملنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ اولاد کی مثال پیدائش سے قبل بیج اور پیدائش کے بعد پودے جیسی ہے۔ پودے کی جتنی زیادہ رکھوالی کی جائے گی وہ اتنا ہی زیادہ تناور درخت کی شکل اختیار کرے گا اور کاشت کاری کرنے والا اس شجرِ سایہ دار کی چھاؤں سے تادیر مستفید ہوتا رہے گا۔

اولاد کی ولادت سے قبل ہی والدین کو ان کے بارے میں نیک تمنائیں رکھنی چاہئیں۔ قرآن مجید نے اس حوالے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ اور حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔ ان تمام ہستیوں نے نیک اولاد کی تمنا کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صالح بیٹے کی دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو یوں پورا فرمایا کہ آپ کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شکل میں ایک حلیم بیٹا عطا فرما دیا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ نے ان کی پیدائش سے قبل نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ ان کو جو اولاد عطا فرمائیں گے اسے اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لئے وقف کر دیں گی اور ساتھ ہی آپ نے یہ بھی کہا کہ میں اس کو اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود کے شر سے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس نذر کو قبول فرمایا۔ اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی پاک اولاد کی دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے ان کو حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسی فرمانبردار، نیک اور صالح اولاد عطا فرما دی۔ گویا اولاد کی ولادت سے قبل ہی والدین کو یہ دعا مانگنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو نیک اولاد عطا فرمائے۔

والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اولاد کے اچھے نام رکھیں۔ مسلمانوں کو انبیائے کرام، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، آپ کے خاندان اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ناموں پر نام رکھنے چاہئیں۔ احادیث مبارکہ سے

ثابت ہوتا ہے کہ ''عبداللہ اور عبدالرحمٰن'' بہترین نام ہیں۔ حدیث پاک کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض نام اللہ کی نظر میں ناپسندیدہ ہیں جن میں سرفہرست 'شہنشاہ' ہے۔ان ناموں سے بھی اجتناب کرنا چاہئے جن میں شرک کی آمیزش ہو یعنی کسی بت یا غیراللہ کے ساتھ نسبت کی گئی ہو۔ نام رکھنے کے ساتھ ساتھ بچوں سے تکلیف دور کرنے کے لئے ساتویں دن بچے کا عقیقہ بھی کرنا چاہئے۔عقیقے کے بعد رضاعت بھی بچے کا بنیادی حق ہے۔صحت مند ماں کو اپنے بچے کو کسی بھی طور پر اس سے محروم نہیں کرنا چاہئے۔والدہ کو دو برس تک رضاعت کی مدت مکمل کرنی چاہئے۔

رضاعت کی تکمیل کے بعد بچوں کو اللہ تعالٰی کے نام اور اچھی باتیں سکھانی چاہئیں اور بچوں کے ساتھ گالی گلوچ اور بدکلامی سے اجتناب کرنا چاہئے۔ بچے عام طور پر ان باتوں کو سیکھتے ہیں جو وہ دیکھتے ہیں یا ان کے سامنے بیان کی جاتی ہیں۔ برے ماحول کے بچوں کی نفسیات پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں؛ چنانچہ بچوں کی کفالت خوشگوار ماحول میں کرنی چاہئے۔ والدین کے باہمی اختلاف کی وجہ سے بچوں کی نفسیات پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ جس گھر میں والدین پیار اور اتفاق سے رہتے ہیں وہاں بچوں میں صبر وتحمل اور بردباری پیدا ہوتی ہے اور جن گھروں میں والدین کی آپس میں ناچاقی اور لڑائی جھگڑا ہوتا ہے وہاں بچوں میں احساس محرومی اور تشدد کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے۔

والدین کو حتی المقدور بچوں کی تربیت کے لئے کوشاں رہنا چاہئے۔ جو والدین اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں ان کے بچوں کے بگڑنے کے امکانات بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ بچوں کو غیروں کے ہاتھ تھمانے سے بھی گریز کرنا چاہئے۔ ہمارے معاشرے میں بڑھتے ہوئے غیراخلاقی واقعات کا بڑا سبب والدین کی لاپروائی بھی ہے جو اپنے بچوں کو غیروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ پڑھے لکھے خاندانوں کی کئی خواتین بچوں کی پرورش کے لئے خادماؤں کا سہارا لیتی ہیں، یہ خادمائیں ماں کا نعم البدل ہرگز نہیں ہو سکتیں، لہٰذا ماؤں کو حتی الوسع ان کی تربیت کے لئے وقت نکالنا چاہئے۔اگر مجبوری میں خادمہ رکھنی پڑ جائے تو بھی خادمہ کی نگرانی کرنی چاہئے کہ وہ بچوں کی تعلیم وتربیت صحیح انداز میں کر رہی ہے یا بچوں کے بگاڑ کا سبب بن رہی ہے۔

بچوں کی تعلیم کا بندوبست کرنا بھی والدین کی ذمہ داری ہے۔ والدین کو بچوں کی دینی اور دنیاوی تعلیم کے لئے اچھے تعلیمی اداروں اور اساتذہ کا انتخاب کرنا چاہئے۔دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ قرآن کی تلاوت اور اس کے مفہوم کا شعور فراہم کرنا بھی والدین کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔سات برس کی عمر میں بچوں کو نماز سکھانا انتہائی ضروری ہے۔نماز سیکھنے کی وجہ سے بچوں میں تنظیم، روحانی کیفیت اور خالق ومالک کی شناسائی کا شعور پیدا ہوتا ہے۔نماز کی برکت سے بچے غیراخلاقی سرگرمیوں سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔ بچوں کی تعلیم کے حوالے سے صرف تعلیمی اداروں پر ساری ذمہ داری ڈال دینا ہرگز درست نہیں۔ والدین کو خود بھی بچوں کی تعلیم سے آگاہ رہنا چاہئے تاکہ بچے کی ذہنی نشوونما اور تعلیمی ترقی کی راہیں ہموار ہو سکیں۔

اسکول جانے والے طلبہ کی صحبت سے آگاہی حاصل کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔اچھی صحبت کے مثبت اثرات اور بری صحبت کے منفی اثرات ہوتے ہیں۔ اگر بچے کی صحبت بگڑ جائے تو بچے کی زبان، رویے اور عادات بھی بگڑ جاتی ہیں۔ بچوں کی عادات میں نمایاں تبدیلی رونما ہو تو اس کو مثبت علامت نہیں سمجھنا چاہئے اور ان کی عادات اور رویوں کی نگرانی کر کے اصل سبب تک پہنچنے کی جستجو کرنی چاہئے۔

بچوں کی غیر نصابی سرگرمیوں کا تعین بھی والدین کی اہم ذمہ داری ہے۔ موبائل، لیپ ٹاپ کا غیر ضروری استعمال اسکول جانے والے بچوں کے لئے مفید نہیں ہوتا۔ ان کے لئے اچھی کتب کا انتخاب کرنے اور ان کو میدانی کھیلوں کی طرف راغب کرنے کے نتائج انتہائی مثبت نکلتے ہیں۔ کمپیوٹر کا غیر ضروری استعمال بچوں کی نفسیات کو مسخ کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔ مڈل پاس کرنے والے طلبہ کے لئے مستقبل کی نشاندہی کرنا بھی والدین کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں والدین کو بچوں کی صلاحیتوں اور میلان کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ اگر بچہ کسی اور میدان کی طرف رغبت رکھتا ہے تو جبراً اس کو بدلنا غلط ہے۔ اسی طرح والدین کو اولاد کی دینی اور اخروی کامیابی کے لئے ہمہ وقت دعاگو رہنا چاہئے اور ان کی کسی بھی کمی کوتاہی کی صورت میں حتی الوسع ان کو بددعا دینے اور برا بھلا کہنے سے گریز کرنا چاہئے۔ والدین کو اولاد کو نیکی کے کاموں میں بھی شریک کرنا چاہئے اور اس سلسلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سیرت سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے جنہوں نے تعمیر بیت اللہ میں اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی شریک کیا تھا۔

تعلیم کے آخری مراحل تک بچوں کو پہنچانے کے بعد ان کے لئے اچھے رشتوں کا انتظام کرنا والدین کی ذمہ داری ہے۔ والدین کو اس سلسلے بچوں کی پسند ناپسند کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے۔ اگرچہ ولی کی اجازت کے بغیر کیا گیا نکاح درست نہیں تاہم لڑکی کو نکاح کے لئے مجبور کرنا بھی درست نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نکاح فسخ کر دیا تھا جس میں لڑکی کے والد نے اس کی ناپسند کے باوجود نکاح کر دیا تھا۔ والدین کا حسن انتخاب لڑکے اور لڑکی کی زندگی کو جنت بنا دیتا ہے اور والدین کی طرف سے کی جانے والی کوتاہی خاندانوں کی تباہی و بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔ والدین کی تربیت اور رہنمائی اولاد کی دنیاوی اور اخروی کامیابی کا سبب اور ان کی غفلت ولاپروائی اولاد کی ناکامی اور بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔ نکاح کرنے کے بعد بھی والدین کو اپنی اولاد کے دینی اور دنیاوی مشاغل پر گہری نظر رکھنی چاہئے اور زندگی کے آخری سانس تک ان کی اصلاح کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے اور موت سے پہلے ان کو اچھائی کی وصیت ضرور کرنی چاہئے۔ اس سلسلے میں حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہم السلام کی مثالوں کو مدنظر رکھنا چاہئے جنہوں نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی اپنی اولاد کو دین پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔ چنانچہ والدین کو اولاد کے مستقبل کو سنوارنے کے لئے اپنی ذمہ داریاں اور کردار احسن طریقے سے ادا کرتے رہنا چاہئے۔

❁ ❁ ❁

قطع تعلق: ایک بڑھتا معاشرتی ناسور

● محمد احمد طاہر ....

اونٹ کے بارے میں ایک کہاوت مشہور ہے کہ ''اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔'' بلا تشبیہ و بلا مثال یہی حال آج ہمارے معاشرے کا ہے۔ طرح طرح کی معاشرتی برائیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ معاشرے کا شیرازہ بکھر چکا ہے، ہر طرف افراتفری ہے۔ ظلم، تشدد، جبر، استحصال، زیادتی (الا ماشاء اللہ) اس معاشرے کی پہچان بن چکے ہیں۔ معاشرے میں بڑھتے جرائم کی شرح پر نظر دوڑائیں تو ہوش اڑ جاتے ہیں۔ چوری، ڈاکہ زنی، شراب نوشی، بدکاری، فحش کلامی، قتل و غارت گری، ناجائز قبضہ وغیرہ وغیرہ ایسے جرائم ہیں جن سے اخبارات بھرے ہوتے ہیں مگر ایک ایسا معاشرتی ناسور جس پر شاید ہمارے میڈیا اور احباب حل و عقد کی توجہ نہیں ہے وہ قطع تعلقی ہے۔ بات بات پر ناراضگی ہوئی اور پھر بول چال ختم اور رفتہ رفتہ تعلق ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتا ہے۔ خونی رشتے ختم ہو رہے ہیں، بھائی بھائی سے رشتہ ختم کر رہا ہے۔ ہمسائے ہمسائے سے نہیں بولتے۔ بالائی منزل میں رہنے والے زیریں منزل کے رہائشیوں سے تعلق ختم کر دیتے ہیں۔

اس معاشرتی بگاڑ کی بہت وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے ایک اہم وجہ دین سے دوری ہے۔ شرعی احکام سے لاعلمی ہے۔ یہ ذمہ داری تو احباب محراب و منبر کی ہے مگر شاید وہاں سے بھی موثر، منظم اور مربوط آواز نہیں اٹھائی جا رہی ہے حالانکہ دین اسلام نے اس کے متعلق واضح اور زریں اصول اور احکامات صادر فرمائے ہیں۔ قطع تعلقی کا متضاد صلہ رحمی ہے۔ قرآن و حدیث میں قطع تعلق کی مذمت کی گئی ہے اور صلہ رحمی کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ چنانچہ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۰ میں ارشاد ہوا:

''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔''

مذکورہ آیت میں اللہ رب العزت نے اہل ایمان کے درمیان باہمی محبت و پیار کے جذبات کو پیدا کرنے کے لئے فرمایا کہ اہل ایمان تو سگے بھائی ہیں۔ جس طرح سگے بھائیوں کے درمیان بھی کبھی کبھار رنجش ہو جاتی ہے، وہ رنجش اور ناراضگی عارضی اور وقتی ہوتی ہے اس وقت دوسرے بھائیوں کا فرض ہے کہ وہ مداخلت کر کے ان کے درمیان صلح کروا دیں۔

حضرت ابودرداءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کیا میں تمہیں ایسے عمل پر آگاہ نہ کروں جس کا درجہ روزے، نماز اور صدقہ سے افضل ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ضرور مہربانی فرمائیے! آپ ﷺ نے فرمایا: ''دو آدمیوں کے درمیان صلح کرا دینا۔''

ساتھ ہی بتایا کہ ''دو آدمیوں کے درمیان فساد کرانا ایمان کو مونڈ کر رکھ دیتا ہے۔'' (سنن ابوداؤد)

اسی طرح ایک اور مقام پر قرآن مجید میں اسلامی نظام حیات کا ایک اہم اصول بیان کیا گیا ہے جو ہر مسلمان کے لئے قدم قدم پر رہنمائی مہیا کر سکتا ہے۔ کاش مسلمان اس اصول کو اپنا لیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا: ''اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک

دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔" (المائدۃ:۲)

زیر بحث آیت مقدسہ میں خالق کائنات جل شانہ نے اسلامی دستور حیات کا ایک اور زریں اصول سکھاتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تمہارے آپس کے تعلقات کی بنیاد اور اساس یہ ہونی چاہئے کہ ہر نیکی اور بھلائی کے کام میں ایک دوسرے کی اعانت اور تعاون کرو اور ہر برائی اور گناہ کی تحریک میں الگ رہو۔

بھائی بھائی بن جاؤ:

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

"نہ قطع تعلق کرو، نہ دشمنی کرو اور نہ بغض رکھو اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو۔ اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال منقطع رکھے۔" (صحیح البخاری، کتاب الادب۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب)

قطع تعلق مثل قتل ناحق:

صحابی رسول حضرت ابوخراش الاسلمیؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضورؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "جس نے ایک سال تک اپنے بھائی سے تعلقات منقطع رکھے تو یہ اسی طرح ہے جیسے اس نے اسے قتل کر دیا۔" (سنن ابوداؤد)

قطع تعلقی کرنے والا جہنم کا حقدار:

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے کسی بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق رکھے۔ اور جس نے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کیا اور پھر مر گیا تو وہ دوزخ میں داخل ہو گیا۔" (سنن ابوداؤد، کتاب الادب)

قطع تعلق کرنے والا بخشش سے محروم:

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ اللہ نے فرمایا: "ہر جمعرات اور پیر کے دن اعمال پیش کئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو معاف فرما دیتا ہے جو کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراتا ہو، سوائے اس شخص کے جس کے درمیان اور اس کے بھائی کے درمیان ناراضگی ہو تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ان دونوں کو چھوڑ دو حتیٰ کہ یہ آپس میں صلح کر لیں۔" (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والادب)

سلام کرنے والا بری الذمہ ہو گیا:

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "کسی مومن کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن سے تین دن سے زیادہ ناراض رہے اور اگر اس طرح تین دن گزر جائیں تو اسے چاہئے کہ اپنے بھائی سے ملاقات کرے اور اسے سلام کہے۔ اگر وہ سلام کا جواب دے دے تو دونوں اجر میں شریک ہو جائیں گے اور اگر اس نے سلام کا جواب نہ دیا تو وہ گنہگار رہا اور سلام کرنے والا قطع تعلق کے جرم سے بری الذمہ ہو گیا۔" (سنن ابوداؤد، کتاب الادب)

قطع رحمی کرنے والے سے اللہ بھی تعلق توڑ دیتا ہے:

حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ حضورؐ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کی، جب وہ اس کی پیدائش سے فارغ ہوا تو "رحم" نے کھڑے ہو کر رحمٰن (رحم کرنے والے) کے دامن میں پناہ لی۔ اللہ نے پوچھا: کیا بات ہے؟ رحم نے عرض کیا: میں قطع رحمی (رشتہ داری ختم کرنے) سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ تجھے یہ پسند نہیں کہ جو تجھ کو جوڑے میں بھی اسے جوڑوں اور جو تجھے توڑے میں بھی اسے توڑ دوں۔ رحم نے عرض کیا: ہاں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر ایسا ہی ہوگا۔" (صحیح البخاری، کتاب التفسیر)۔

❁ ❁ ❁

مسلم قوم کو متحد کرنے کیلئے ’ایک اسلام‘ کی ضرورت

● شاہ عمران حسن

ہر دور کا ایک المیہ ہوتا ہے،اس دور کا المیہ یہ ہے کہ مسلم قوم سب سے زیادہ سرخیوں میں ہے ۔سرخیوں میں رہنا اچھی بات ہے،مگر وقت کی عجیب ستم ظریفی یہ ہے کہ مسلم دنیا کے لیے یہ سرخیاں ’’بری خبروں‘‘ سے تعلق رکھتی ہیں نہ کہ ’’اچھی خبروں‘‘ سے ۔دنیا کے جس حصے میں جائیے اور جس زبان کے اخبار کا مطالعہ کیجئے ،ان اخبارورسائل میں مسلم دُنیا کے تعلق سے ’’بری خبروں‘‘ کے لیے کافی جگہ موجود ہوگی ،مگر مسلم دُنیا کے تعلق سے ’’اچھی خبریں‘‘ اخبارورسائل کے صفحات میں شاید ہی نظر آئے۔

مسلم دُنیا کا یہ ایک ایسا المیہ ہے جس پر غور کرنے کی اشد ضرورت ہے۔میں نے اس پہلو پر کافی غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ موجودہ دور میں مسلم دُنیا پر جو المیہ نازل ہوا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مسلم قوم نے اپنے جینے کا مقصد کھو دیا ہے۔موجودہ زمانہ میں مسلم قوم بے منزل اور بے سمت بھاگی چلی جا رہی ہے۔جس قوم کی نظر سے مقصد گم ہو جائے وہ قوم زوال یافتہ ہو جاتی ہے،اس کے لیے اخبار کے صرف وہ کالم مختص ہوتے ہیں جو بُری خبروں سے تعلق رکھتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ مسلم دُنیا کو اِس انحطاطی دور سے نکالنے کے لیے سب سے پہلے ان کے مقصد کا تعین کرنا ہوگا۔ اس کے لیے ان کی ذہن سازی کرنی ہوگی ۔یہ ذہن سازی اُسی طرح کرنی ہوگی جس طرح ہنگامی حالات یا حادثات کے موقع پر کی جاتی ہے۔ایک ایک فرد کو لے کر ذہن سازی کرنی ہوگی ، ایک ایک محلے میں جا کر کام کرنا ہوگا۔ یہ کام تقریباً اسی طرح ہو سکتا ہے جس طرح تبلیغی جماعت کے لوگ اپنا کام کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

آج مسلم قوم نہ صرف زوال یافتہ ہو چکی ہے، بلکہ وہ شدید مایوسی کا بھی شکار ہے اور کوئی بھی اس کو مایوسی کے دلدل سے نکالنے کے لیے کوئی اقدام نہیں کر رہا ہے، ہر جگہ مسلم قوم کو بلند کرنے کی بات ہو رہی ہے مگر یہ ساری گفتگو اور سارے ہنگامے اخباری سطح پر ہو رہے ہیں، جس سے مسلم قوم کے نام نہاد رہنماؤں کو ضرور سستی شہرت مل جاتی ہے،مگر ملت کے ’’سرمایۂ حسرت‘‘ میں اضافہ کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔ ملت جہاں پہلے تھی وہاں آج بھی ہے۔ایسا لگتا ہے،ملت کے لیے’’وقت‘‘ ٹھہر سا گیا ہے۔

میں یہ باتیں تحریر کر رہا ہوں اور میرا قلم لرز رہا ہے کہ بحیثیت مجموعی قوم کی پہچان باقی نہیں رہی ہے،اس لیے ماضی کے برعکس مسلم دینے والی قوم نہ بن سکی وہ صرف ایک احتجاجی قوم بن کر رہ گئی۔ جب مقصد ہی گم ہو جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مسلم دُنیا کے افراد نے اپنے جینے کا مقصد کھو دیا ہے ،ان میں زندہ رہنے کی امنگ باقی نہ رہی بلکہ میرا کہنا صرف یہ ہے کہ مسلم قوم نے بحیثیت مجموعی اپنا مقصد کھو دیا ہے۔فرد کی سطح پر ان میں زندگی کی رمق اسی طرح پورے آب وتاب سے باقی ہے جس طرح دوسری اقوام کے فرد میں۔وہ بھی اسی طرح ترقی کر رہے ہیں جس طرح دیگر اقوام کے افراد کرتے ہیں۔

مسلم قوم کی صورتِ حال صرف اس لیے ایسی ہوئی کہ اس نے مستند اور تاریخ اسلام کے بجائے فقہی جھگڑوں میں اپنے آپ کو اُلجھا لیا۔ ایک مسلک نے ایک معاملے میں جس چیز کو جائز قرار دیا، دوسرے نے اس کو حرام قرار دے دیا۔ ایک نے کہا کہ آمین زور سے کہو تو دوسرے نے اس بات کی دلیل دی کہ آمین آہستہ سے کہو، غرض کہ معمولی معمولی باتوں پر ،فروعی اختلافات پر مسلم قوم کا شیرازہ اتحاد بکھر کر ریزہ ریزہ ہوگیا، مسلم قوم کا اتحاد پارہ پارہ ہوکر رہ گیا۔ ایک مسلک والا دوسرے مسلک والے سے شدید نفرت کرنے لگا۔ اور تو اور ایک دوسرے کو لوگ کافر و مشرک تک کہنے لگے۔ یہاں تک کہ مسلم قوم منتشر ہوکر رہ گئی ہے۔ جب ایسی صورتِ حال ہو تو پھر اتحاد کہاں سے قائم ہوگا اور جب اتحاد نہیں تو پھر ترقی بھی نہیں؟

فروعی اختلافات نے جو جنگ کی صورت اختیار کی ،اس نے مسلم دنیا میں صرف خرافات پیدا کیا۔ اس نے مسلم قوم کے مجموعی مقاصد کو ذبح کر ڈالا۔ اس کا فائدہ ان کے نام نہاد رہبران نے اُٹھایا۔ حالاں کہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ فروعی اختلافات کو نظر انداز کردیا جاتا اور توسیع کا طریقہ اختیار کیا جاتا۔ جس طرح صحابہ کرامؓ کے درمیان اختیار کیا گیا تھا۔ اگر توسیع کا رویہ اختیار کیا جاتا تو اتحاد کا درس دینے والے سب سے بڑے دین کے ماننے والے سب سے زیادہ منتشر نہ ہوئے ہوتے۔

جب ہم ہندوستان کی دیگر اقوام کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ ہر سطح پر اتحاد کا مظاہرہ پیش کر رہی ہیں۔ سکھ قوم کو ہی دیکھ لیجئے ،ان میں کس قدر اتحاد پایا جاتا ہے، میں یہ مانتا ہوں کہ ان میں بھی اسی طرح داخلی خرابیاں موجود ہیں ،جس طرح دوسری اقوام میں ہوتی ہیں مگر مذہبی اعتبار سے ان میں زبردست اتحاد ہے، حتیٰ کہ کوئی بھی سکھ اپنے مذہبی پیشوا کے فیصلے کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا۔ گرودوارا کی جانب سے مشہور کرکٹ کھلاڑی ہربجن سنگھ اور بہار کے سابق گورنر بوٹا سنگھ کو جو سزا ملی تھی، وہ اس مذہبی اتحاد کی عمدہ مثالیں ہیں۔

اسی طرح عیسائی کمیونٹی کو دیکھ لیجئے ، ان میں کس قدر ''اتحاد'' ہے، حتیٰ کہ تعلیم اور صحت کے میدان میں انھوں نے ہندوستان میں ایسی مثالیں قائم کی ہے جو ہر اعتبار سے قابلِ تقلید ہیں۔ اُنھوں نے بہت خاموشی سے اپنے دیرپا عمل کو جاری رکھا ہے، حتیٰ صحت اور عمدہ پرائمری تعلیم کے میدان میں کام کر کے ہندوستان کی دیگر بڑی بڑی اقوام کی ضرورت بن گئے۔ جب کہ وہ نہ صرف عددی اعتبار سے ہندوستان کی سب سے کمزور قوم ہے بلکہ ہندوستانی سیاست میں بھی ان کی حصہ داری نہیں کے برابر ہے۔ مگر مسلم قوم اب تک ان چشم دید واقعات سے کسی قسم کا سبق نہ لے سکی۔ مسلم قوم میں نہ سکھ کمیونٹی کی طرح مذہبی اتحاد ہے اور نہ ہی عیسائیوں کی فلاح و بہبود کے کام سے دل چسپی۔ صحت عامہ کے شعبہ کی کیا بات کی جائے، تعلیم کے نام پر بھی مسلم قوم نے جو کچھ کیا وہ کسی اعتبار سے قوم کی ترقی کا زینہ نہ بن سکا۔ حیرت کا مقام ہے کہ جب ہم نے تعلیم کے میدان میں کام کرنا شروع کیا تو پہلے ہم نے ''اُوپر'' سے آغاز کیا جب کہ ہماری ''بنیاد'' تھی ہی نہیں۔ تعلیم کے نام پر ہم نے پہلے یونیورسٹی کھولنی شروع کی جب کہ ہمارے پاس پرائمری تعلیم کے معیاری ادارے تھے ہی نہیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، مولانا آزاد یونیورسٹی، مولانا مظہرالحق یونیورسٹی وغیرہ اُوپر سے آغاز کرنے کی عمدہ مثالیں ہیں جب کہ ہمیں نیچے سے آغاز کرنا چاہئے تھا۔ یہی وہ اسباب ہیں کہ ان اداروں کے فارغین قوم کی ترقی کا ضامن نہ بن سکے، دوبارہ کوئی سرسید، کوئی علامہ اقوال ،کوئی ڈاکٹر ذاکر حسین، کوئی مولانا مظہرالحق، کوئی

مولانا آزاد پیدا نہ ہو سکا۔اور تو اوران اداروں میں وہی قوم ہراعتبار سے غالب آ گئی جس کی بنیاد مضبوط تھی۔

اگر بے لاگ تجزیہ کیجئے تو ہر باشعور آدمی یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جائے گا کہ ہمیں پہلے پرائمری سطح کے تعلیمی ادارے قائم کرنے چاہئے تھے۔ یہ تعلیمی ادارے اسی طرح سے کھولے جاسکتے تھے جس سطح کے پرائمری ادارے دیگر اقوام نے کھولے ہیں اور پورے ہندوستان میں اس کا نیٹ ورک (Network) ہے۔جس سے مضبوط تعلیمی بنیادیں نکل رہی ہیں۔اگر ہم نے زمانہ کے تغیر کا اندازہ کیا ہوتا تو یقینی طور پر ایسے پرائمری ادارے قائم کرتے تو آج ہم ایسی پست صورت حال کو نہ دیکھ رہے ہوتے۔

زمانے کی گردش کو نہ سمجھنے کے سبب ہم نے ایسا کچھ نہیں کیا اور ہمارے حصہ میں حسرت اوراحتجاج اور پرفریب سیاسی ہنگامے کے علاوہ کچھ نہیں آیا۔ یونیورسٹی سطح پر جو تعلیمی ادارے ہم نے قائم کئے وہ بھی آپسی مذہبی ومسلکی اختلافات کا شکار ہو کر رہ گئیں۔

ہم مسلم قوم دین اسلام کو ماننے والے ہیں۔ اسلام دعوت الی اللہ کی ذمہ داری ہمارے اُوپر عائد کرتا ہے۔دعوت الی اللہ کا مطلب ہے اللہ کے پیغام کو اللہ کے بندوں تک پہنچانا ،اسلامی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا سب سے بڑا مقصد یہی تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اب یہ ذمہ داری امت محمدی پر عائد ہوتی ہے۔موجودہ دور میں مسلم قوم نے دعوتی سطح پر کام شروع کیا تو دعوت کے بجائے عداوت پھیلانے کا سبب بن گئی اور دوسری اقوام اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت میں ان سے بہت آگے نکل گئیں۔ جہاں عیسائی مشنری ہندوستان آ کر اپنا دعوتی کام خاموشی سے کرنے لگے تو دوسری طرف ہندوؤں کے مذہبی پیشواؤں نے بھی اعلیٰ سطح پر اپنی مذہبی باتوں کا پرچار و پرسار شروع کر دیا۔ یورپ اور امریکا میں بڑے پیمانے پر اُنھوں نے ادارے کھولے ، وہاں پہنچ کر کوئی اختلافی بحث نہیں چھیڑی ۔ پیار وشانتی کا اُپدیش دے کر وہاں کے لوگوں کا اپنا گرویدہ بنانے میں ہراعتبار سے کامیاب ہوگئے۔ ڈیجیٹل ایج (Digital Age) آیا تو اس کا بھی انھوں نے بہت خوش اسلوبی سے فائدہ اُٹھایا، نہ صرف اعلیٰ سطح کی کتابیں بہترین گٹ اپ کے ساتھ شائع کیں، بلکہ ذرائع ابلاغ کی تمام چیزوں کا استعمال کر کے اپنے پیغام کو پہچانے میں کامیاب ہوئے۔تھری ڈی (3D) اور اینمیشن (Animation) کے ذریعہ انھوں نے اپنے مذہبی پروگراموں اور پیغاموں کو خوب صورت سے خوب صورت بنادیا۔

مسلم قوم آج متفرق اسلام پر جمی ہوئی ہے، اس لیے ان پر جمود طاری ہے، اب مسلم قوم کو متحد کرنے کے لیے اوران کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے ''ایک اسلام'' کی ضرورت ہے۔آج اس اسلام کی ضرورت ہے جو تاریخی طور پر مستند ہے، آج اس اسلام کی ضرورت ہے جس نے کالے اور گورے کے فرق کو مٹادیا تھا، آج اس اسلام کی ضرورت ہے جس نے ایک ہی صف میں محمود وایاز کو کھڑا کر دیا تھا، آج اس اسلام کی ضرورت ہے جس نے تاریخ کے دھارے کے رُخ کو موڑ دیا تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ آج اس اسلام کی ضرورت ہے جو مسلم قوم میں خدا کے تئیں شعوری ڈر پیدا کر دے۔

اسوہ حسنہ پر عمل پیراں ہونے کیلئے

سیرت نبوی کا مطالعہ ناگزیر

.... ● عبدالقدوس ہاشمی

حضرت رسول اللہؐ کی سیرتِ طیبہ اور آپؐ کے احوالِ زندگی کا بار بار اور غور وفکر کے ساتھ عمیق مطالعہ نہ صرف مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری ہے بلکہ غیر مسلموں کے لئے بھی ایک فریضہ انسانی کا درجہ رکھتا ہے۔ مسلمانوں کے لئے تو یہ مطالعہ اس لئے نہایت ضروری ہے کہ ہمیں خالق کائنات خدائے بزرگ و برتر نے اپنی کتاب قرآن مجید میں یہی حکم دیا ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اُن کے نقشِ قدم پر چلیں، اُن کی اتباع کریں اور اُن کے اسوہ حسنہ کو اپنی زندگی کے لئے نمونہ عمل قرار دے کر اپنے آپ کو اس رنگ میں رنگنے کی سعی کریں اور اس میں ساری زندگی بسر کردیں۔ ظاہر ہے کہ اس حکم کی تعمیل ہم اسی صورت میں کرسکتے ہیں جب کہ ہم آپؐ کی سیرت طیبہ سے واقفیت حاصل کریں، بار بار پڑھیں، سنیں، دوسروں کو سنائیں، خود یاد رکھیں اور دوسروں کو یاد دلاتے رہیں۔ ایسا کبھی نہ ہونے پائے کہ ہم پر غفلت طاری ہو۔ رسول اللہ سے محبت، اللہ سے محبت ہے اور رسول اللہ سے غفلت، اللہ سے غفلت ہے اور جو اللہ کی یاد سے غافل ہوگیا اسے نہ یہاں چین اور نہ وہاں چین۔

اور ایک غیر مسلم کے لئے حضورﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ اس لئے ایک فریضہ انسانی کا درجہ رکھتا ہے کہ نورِ انسانی میں سے مردِ کامل کا صرف یہی ایک نمونہ ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے، اتباع کرے یا انکار، لیکن یہ جان لینا تو ہر آدمی پر فرض ہے کہ ہر پہلو سے کامیاب وکامران اور ہر اعتبار سے مکمل انسان کیسا ہوتا ہے؟ کون بدنصیب ہوگا جو یہ نہ چاہے کہ اسے ایک بامقصد اور کامیاب زندگی میسر ہو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کامیاب زندگی کیسی ہوتی ہے اور کیا اس کا کوئی مکمل نمونہ ہمیں نظر آتا ہے کہ ہم اس سے کچھ سیکھیں اور کچھ حاصل کریں۔

زمین پر زمانہ یادگار سے نوعِ انسانی آباد ہے اور آج بھی لاکھوں اور کروڑوں نہیں بلکہ اربوں آدمی اس دنیا میں زندگی بسر کررہے ہیں۔ سب کا قصہ ایک ہی سا قصہ ہے کہ پیدا ہوا، بڑوں نے دیکھ بھال کی، پرورش و پرداخت ہوئی، ایک محدود مدت تک زمین پر زندہ رہا اور بالآخر مر کر پیوندِ زمین ہوگیا۔ نہ پیدا ہونے میں اختیار و ارادہ کو دخل تھا اور نہ موت میں۔

حیاتِ جاوداں میری نہ مرگِ ناگہاں میری

سب کہاں؟ جن چند لوگوں کا حال آپ کو معلوم ہے، ان ہی کی زندگیوں پر غور کیجئے۔ پیدائش اور موت پر تو یقیناً کسی کو بھی اختیار حاصل نہ تھا لیکن سن بلوغ سے موت تک جو کچھ وہ اپنے ارادہ و اختیار سے کرتے رہے، ان اعمال و افکار میں انہوں نے اپنے ارادہ و اختیار کو کس کس طرح استعمال کیا اور وہ اپنے مقاصد زندگی میں کس حد تک کامیاب ہوئے، ہاں! اور یہ بھی دیکھئے کہ انہوں نے اپنے ایک رخ کی تکمیل کیلئے زندگی کے دوسرے رخوں کو نظر انداز تو نہیں کردیا مثلاً ایک شخص روحانی

سکون حاصل کرنے کیلئے بیوی بچوں کو چھوڑ کر پہاڑ پر جا بیٹھا،تو اس کی زندگی اور پہاڑ کی چٹان میں کیا فرق باقی رہا۔ وہ نہ ہوا، پہاڑ کی ایک چٹان ہوئی۔ دوسرا بیوی بچوں اور دنیا کے عیش و عشرت میں اس طرح الجھا کہ ساری کائنات سے غافل ہو گیا تو اس کی زندگی اور کتے بلیوں کی زندگی کے مابین امتیاز کیا رہا؟

انسانی زندگی تو مختلف اور متنوع فرائض و واجبات کا مجموعہ ہے اور ان ہی کی اچھی طرح تکمیل سے زندگی کا کمال وابستہ ہے۔ ایک آدمی پر کچھ فرائض اپنی ذات کی طرف سے عائد ہوتے ہیں، کچھ کنبے اور گھرانے کی طرف سے، کچھ ہمسایوں اور اہل وطن کی طرف سے، کچھ قوم وملت کی طرف سے اور کچھ بنی نوع انسانی کی طرف سے۔ ان ہی متنوع فرائض و واجبات کی اس طرح متناسب ومتوازن ادائیگی کہ ایک کی وجہ سے دوسرا رخ متاثر نہ ہو اور ایک میں انہماک سے دوسرے میں تغافل نہ پیدا ہو جائے، کامیاب وکامران زندگی کہلاتی ہے۔ اپنی ذات سے وابستگی اور اپنی راحت وعافیت کا اہتمام یقیناً ہر انسان کی اولین تمنا ہے۔ اس حد تک کہ پہاڑوں میں تارک الدنیا کی زندگی بسر کرنے والے بھی بھوک پیاس کے لئے کچھ نہ کچھ جتن کیا ہی کرتے ہیں اور گرمی سردی سے بچنے کے لئے کوئی نہ کوئی غار تلاش کر ہی لیتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص اپنی ہی ذات کو مقصود ومعبود بنا لے اور زندگی کے دوسرے واجبات سے غافل ہو جائے تو اس کی زندگی کو نمونہ کی کامیاب زندگی نہیں کہا جا سکتا اور نہ ایسی کسی زندگی سے ہمارے لئے کوئی ہدایت ہے۔ اس لئے کہ:

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

کیا یہ حقیقت و واقعہ نہیں ہے کہ ہم اپنے بڑوں سے بہت کچھ سیکھتے ہیں، تو کیا یہ ضروری نہیں کہ ہمارے سامنے ایک ایسا عملی نمونہ ہو جس کی سیرت میں انسانی زندگی کے ان متنوع و مختلف حالات کا کامیاب نمونہ ہمیں مل جائے، تلاش کیجئے، دنیا کی تاریخ میں کوئی ایک شخص بھی ایسا دکھائی دیتا ہے جو ہمارے لئے ان تمام حالات میں نمونہ کا کام دے سکے۔ بہت سے فاتحین اور کشورکشاؤں کا حال ملتا ہے، بہت سے فلسفیوں کے افکار ملتے ہیں، بہت سے تارک الدنیا لوگوں کے تذکرے ہم سنتے ہیں، بہت سے بادشاہوں، وزیروں اور عالموں، فاضلوں کے قصے موجود ہیں۔ ان کی بڑائی تسلیم، ان کی سربلندیاں سرآنکھوں پر، مگر غور سے دیکھئے تو کیا یہ سب کچھ سیرت انسانی کے کسی ایک رخ کی کہانی سے زیادہ کچھ ہے؟ اس سے انکار نہیں اور ہمارا تو ایمان ہے کہ انسانوں کے پیدا کرنے والے خالق نے ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں عملی زندگی کی رہنمائی کے فرائض انجام دینے کے لئے سچے اور بہترین رہنما بھیجے تھے لیکن ان کے حالات ہم تک کہاں اور کتنے پہنچ سکے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ان میں اکثر کی تاریخی شخصیت بھی قابل اعتماد تاریخوں سے ثابت نہیں ہوتی اور جو کچھ مستند یا غیر مستند حالات ہمیں ملتے ہیں وہ محض چیدہ چیدہ واقعات ہیں جن سے ان بزرگوں کی سیرت وکردار کا مکمل تو کیا کوئی نامکمل خاکہ بھی تیار نہیں ہو سکتا۔ ہزاروں سوالات پیدا ہوتے ہیں اور محض سوالات ہی رہ جاتے ہیں۔ ان کے حل کرنے کے لئے ہمیں ان قصہ کہانیوں میں کوئی کرن نہیں دکھائی دیتی۔

اس کے برخلاف حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت مبارکہ کا مطالعہ کرنے والا کسی جگہ تاریکی کا نشان نہیں پاتا۔ ہر چیز واضح اور چمکتے ہوئے آفتاب کی طرح روشن ہے۔ آپ کا شخصی کردار، رحمت، راء فت، شفقت، خشیت، عبادت، شجاعت، عدالت، صداقت، سخاوت، فراست، متانت، ایثار، احساس ذمہ داری، عاجزی اور تواضع، صبر، توکل، ثبات، دانش مندی وغیرہ وغیرہ سب کی کیفیت اور ان کے عملی نمونے مل جاتے ہیں اور

بہت سے مل جاتے ہیں۔اسی طرح آپ ﷺ کی گھریلو زندگی میں اچھے شوہر، اچھے باپ اور اچھے نانا دادا وغیرہ کے بہترین نمونے ہمیں ملتے ہیں۔ جماعتی زندگی میں اچھے دوست، اچھے ساتھی، شفیق سردار اور مساکین کے سرپرست و مددگار کا بہترین نمونہ ہمیں آپؐ کی ذاتِ گرامی میں ملتا ہے۔اسی طرح ملی وقومی زندگی میں عدل، انصاف ، فوجوں کی کمانداری، انتظاماتِ حکومت، رعایا پروری ، سیاسی سمجھ بوجھ، دوستوں کی دلداری، دشمنوں کے ساتھ نیک سلوک وغیرہ ایسا مکمل اور اتنا بہترین نقشہ ہمیں سیرتِ طیبہ میں دکھائی دیتا ہے کہ ویسا اور کہیں نہیں دکھائی دیتا اور کمال یہ ہے کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے یہ سارے نمونے صرف ایک ہی مقدس و مکمل انسان میں مل جاتے ہیں اور مطالعہ کرنے والا بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ:

کاسہ غیر کو، اور منہ سے لگاؤں، توبہ
شان پہچانتا ہوں یار کے پیمانے کی

اس کی ضرورت ہی نہیں پڑتی کہ زندگی کے کسی مرحلہ پر اور کسی حالت میں کہیں اور سے کوئی سبق حاصل کیا جائے۔ خوشی، غم، تونگری، افلاس، سرداری، حکومت، اقتدار، صلح، جنگ، امن، بدامنی، اخلاص، دشمنی وغیرہ آخر آپ کو اپنی زندگی میں ان ہی باتوں سے تو واسطہ پڑے گا۔آپ کو ان حالتوں میں کیا یقین رکھنا چاہئے اور کیا عمل کرنا چاہئے کہ آپ کامیاب رہیں اور آپ کا خالق بھی آپ سے خوش رہے۔اس کا جواب آپ کو صرف سیرتِ طیبہؐ ہی میں مل سکتا ہے۔خدائے بزرگ و برتر نے محمد رسول اللہؐ کے ذریعے دین اسلام ہی کی تکمیل نہیں فرمائی بلکہ نبوت اور رہنمائی کے سلسلہ کو آپؐ پر ختم کر کے سیرتِ انسانی کی بھی تکمیل فرمادی اور اس طرح تکمیل فرمادی کہ اس سے زیادہ مکمل اور اتنے اچھے نمونہ کردار کا تصور بھی ممکن نہیں۔

مسلمانوں کے لئے تو اس بات کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں، اس لئے کہ یہ ان کا ایمان ہے اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ خالق کائنات کی رضامندی رسول اللہ کی مخلصانہ اتباع کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوسکتی اور بغیر حصول رضائے الٰہی، نہ دنیا بھلی اور نہ آخرت۔البتہ ایک غیر مسلم کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔اس لئے کہ اس میں ایمان و یقین کا فقدان ہے۔لیکن سیرت طیبہ کا عمیق مطالعہ اس کے لئے بھی ایک فریضہ انسانی کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر اس نے سیرت طیبہ کا مطالعہ نہیں کیا تو اسے کہیں دنیا میں ایسا مکمل، واضح اور تفصیلی نمونہ، کامیاب انفرادی، اجتماعی اور قومی زندگی کا نہیں مل سکتا۔وہ اپنی زندگی کے بہت سے مرحلوں میں یا تو کشمکش و پیچ میں گرفتار ہو جائے گا یا بری طرح ٹھوکریں کھائے گا۔

زندگی بہرحال زندگی ہے، چاہے مسلمان کی زندگی ہو یا غیر مسلم کی۔یہ وقت سب پر آتا ہے جب ایک آدمی کا دماغ یہ سوال کرتا ہے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے اور ہمارے عمل کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ لازم ہے کہ آدمی کے سامنے اس سوال کے وقت کوئی نمونہ عمل موجود رہے۔ایک نبی اور ایک فلسفی کے مابین یہ واضح فرق ہر جگہ نمایاں ہے کہ نبی جو کچھ کہتا ہے، اس کے مطابق عمل کر کے دکھاتا ہے اور فلسفی جو کچھ سوچتا ہے، وہ کہتا ہے۔نہ خود اس کے مطابق عمل کرتا ہے اور نہ کسی دوسرے عمل کرنے والے کو نتائج عمل کی ضمانت دیتا ہے۔

مسلم اور غیر مسلم دونوں کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ دنیا کلجگ نہیں ہے کرجگ ہے اور

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے۔

❁ ❁ ❁

مسجد اقصیٰ روتی ہے

● نازش ہما قاسمی

1947 میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کی تقسیم کا فیصلہ کیا اور اسکے پچپن فیصد حصہ پر ایک آزاد شیطانی ریاست کے قیام کا فارمولا پیش کیا گیا، 1948 میں بن گوریان نے اسرائیل کی آزادی کا اعلان کردیا اور اس طرح پہلی مرتبہ دنیا میں اور خصوصاً قلب عرب میں یہ ناسور وجود میں آیا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے نہتے فلسطینیوں کو موت کے گھاٹ اتار کر اپنے ناپاک عزائم سے انسانیت نواز طبقہ کو آگاہ کرایا، بے شمار غریب افراد ان دجالیت کے پرستاروں کے ظلم وستم سے تنگ آکر ارض فلسطین سے ہجرت کر کے مختلف عرب ممالک میں قیام پذیر ہوگئے، 1947 میں قائم کی گئی شیطانی سلطنت اسرائیل اب دنیا کے طاقتور ممالک میں شمار کی جا رہی ہے۔ اسرائیل کا وجود دراصل امریکہ اور برطانیہ کا مرہون منت ہے، برطانوی سامراج کے زمانہ میں ہی پہلی جنگ عظیم کے بعد یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کا عمل شروع کردیا گیا تھا، کیونکہ یہ ممالک یہودیوں کے مکر وفریب سے واقف تھے اور یہ انہیں اپنے ملک میں بسانے کی غلطی نہیں کرسکتے تھے، چنانچہ اس آبادکاری کو مذہبی رنگ دیدیا گیا اور تاریخ سے انحراف کرتے ہوئے ہیکل سلیمانی کا رنگ چڑھا دیا گیا، برطانوی حکومت نے ان دجالیت کے پرستاروں کو بسانے کے بعد مکمل طور پر انہیں فوجی مشقیں کرائیں، انہیں معصوم فلسطینیوں کے خون سے ہولی کھیلنے کے فن سکھائے، غریب فلسطینیوں کے بالمقابل انہیں مالی مدد دیکر ان کی معاشی حالت کو مستحکم کیا اور ہر طرح سے اہل فلسطین کو کمزور سے کمزور تر بنانے کی کوشش کی گئی، زندگی کے تمام وسائل یہودیوں کے قبضہ تصرف میں دے دیئے گئے، تاکہ کوئی شیطان کے ان پجاریوں کی سلطنت میں کمند ڈالنے والا باقی نہ رہے، نتیجہ میں آج تک اسرائیل مسلسل اہل فلسطین پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہا ہے، اسرائیل نے فلسطین پر صرف قبضہ ہی نہیں کیا بلکہ ظلم کی ایک ایسی تاریخ مرتب کردی جسے چنگیز خان کی درندہ صفت فوج بھی سن کر شرما جائے، وہ تو صحرا بیاباں میں رہتے تھے جو انسانی دنیا کے اخلاق وعادات سے ناواقف تھے لیکن یہ درندے انسانی دنیا کے ٹھیکیدار بنے بیٹھے ہیں، خود کو تہذیب وتمدن کے خالق تصور کرتے ہیں۔ ہٹلر کیوں ان یہودیوں کا قتل عام کیا تھا وہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے ان مکار فریب یہودیوں کی شیطانیت دیکھ کر۔

1948 کی پہلی جنگ میں اسرائیل نے فلسطین کی بستیوں پر ٹینک چلا دیے اور نہتے فلسطینیوں کو موت کے گھاٹ اتاردیا اور جو باقی زندہ بچ گئے انہیں بندوق کی نوک پر ملک چھوڑنے کیلئے مجبور کیا گیا اور چارسو سے زائد عرب دیہاتوں کو مکمل طور پر کھنڈر میں تبدیل کردیا گیا 1967 کی جنگ میں اسرائیلی درندوں نے عرب کے ایک بڑے حصے پر قبضہ کرلیا بعد ازاں 1977 میں دوبارہ یہودیوں کی آبادکاری کا سلسلہ شروع کیا گیا جس میں زبردستی کئی ہزار اہل فلسطین بے گھر کردیئے گئے

1982 میں دجال کے ان پجاریوں نے ایک فلسطینی کیمپ پر اندھادھند فائرنگ کر کے ایک ہزار سے زائد افراد کو شہید کر دیا، اور اب تک ظلم وستم کا بازار گرم ہے اور کوئی بھی ان بے سہارا فلسطینیوں کی مدد کیلئے تیار نہیں ہے، ہر دو سے چار سال بعد دجال کے پجاری معصوم فلسطینیوں پر ہیلی کاپٹر، ٹینک اور جدید قسم کے اسلحہ سے تیار ہو کر حملہ آور ہوتے ہیں، دنیا کے چند ممالک میں صداء احتجاج بلند کی جاتی ہے، ہنگامی طور پر اقوام متحدہ کا اجلاس طلب کیا جاتا ہے، امریکہ اور اس کے حوارین دجال کے پرستاروں کے حق میں بولتے ہیں اور پھر ثالثی کا ڈرامہ شروع کیا جاتا ہے، چند قرارداد پیش کی جاتی ہے، کچھ نئے منصوبے بنتے ہیں، دو چار کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے اور کانفرنس کا اختتام ہوجاتا ہے۔ فلسطین میں جاری یہ جنگ عالم انسانیت کی سب سے عجیب جنگ ہے، ایک طرف جنگی ہتھیاروں سے لیس شیطانی لشکر ہے، دوسری طرف نہتے، لاچار اور غریب عوام ہیں جو خدا وحدہ لاشریک لہ کے پرستار ہیں، ایک طرف میزائل، ٹینک، مشین گن، اور حفاظتی وردی میں ملبوس خدا کے دشمن ہیں تو دوسری طرف غلیل، پتھر اور اینٹ کو ہتھیار بنا کر لڑنے والے دجالیت کے منکر ہیں، ایک طرف سے بم برسائے جاتے ہیں تو دوسری طرف سے ارض فلسطین کے ننھے منے گلاب معصوم چہرے والے بچے فتح وشکست کی رسم دنیا سے بے نیاز پتھر لیکر بموں کے مقابلے کیلئے آجاتے ہیں، نہ جانے کب تک یہ کھیل کھیلا جاتا رہے گا، کب تک معصوم فلسطینیوں کے گھربار اجاڑے جائیں گے، کب تک خون میں لپٹی معصوم بچوں کی لاشیں ہمیں رلائیں گی۔ کیا یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے گا یا پھر اس کی روک تھام کیلئے کچھ ٹھوس اقدامات کرنے ہوں گے، امریکہ اور اس کے حوارین یا پھر اس کی زرخرید لونڈی اقوام متحدہ کے پاس اس مسئلہ کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ ہے عظیم تر اسرائیل کا وجود جہاں بیٹھ کر دجال کے پجاری پوری دنیا میں حکومت کر سکے موجودہ فلسطین ہر طرح سے قابل رحم ہے اور آزاد دنیا کا سب سے بڑا قید خانہ ہے، جسے یہودیوں نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے، ان آزاد انسانوں پر جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جارہا ہے، اور یہودیوں نے مسلسل ظلم وستم کی آڑ میں بیت المقدس پر بھی قبضہ کر لیا ہے، مسلمانوں کو آئے دن نماز پڑھنے سے روکا جاتا ہے، مصلیوں پر طرح طرح کے الزامات لگا کر زنداں کی تاریک کوٹھریوں میں دھکیل دیا جاتا ہے، زیر زمین کھدائی اور مسلسل گولی باری اور بمباری کی وجہ سے اقصیٰ کی دیواریں کمزور سے کمزور تر ہوتی جارہی ہیں، غریب ونادار فلسطینی آج بھی اپنا سب کچھ اقصیٰ کی حفاظت کی خاطر لٹانے کیلئے تیار بیٹھے ہیں، لیکن جن کے پاس دفاع کیلئے کوئی مضبوط بندنہ ہو وہ محض قوت ارادی واعتمادی کی بنا پر کب تک قائم رہے گی، جو خود برباد کر دیئے گئے ہیں وہ دوسروں کو کب تک آباد رکھیں گے، پھر بھی یہ محض ایمانی حرارت ہے کہ مسلسل سات دہائیوں سے فلسطینی آج بھی دیوار آہنی بنے ہوئے ہیں، اور اقصیٰ کی حفاظت اپنے آخری سانس تک جاری رکھنے کا عزم کر چکے ہیں۔ اقصیٰ سے مسلمانوں کا مذہبی عقیدہ وابستہ ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر معراج کی شروعات کی تھی، چودہ سو سالہ تاریخ میں ہمیشہ مسلمانوں نے اقصیٰ کی حفاظت کی ہے اور مسلمان ہی اس کے ذمہ دار رہے ہیں، مسلمان ہونے والے یہ وہی فلسطینی ہیں جو

کئی ہزار سال سے اقصیٰ کے اردگرد آباد ہیں، اس طویل عرصہ میں صرف نوے سال کا عرصہ گزرا ہے جس میں صلیبیوں نے اقصیٰ پر قبضہ کر لیا تھا جس کی سرکوبی کیلئے صلاح الدین ایوبی کو 30 / 35 سال تک مسلسل جنگ کے میدان میں رہنا پڑا اور اب ایک مرتبہ پھر صلیبیوں کی ہی مدد سے دنیا کی ذلیل ترین قوم اور دجال کے پجاری حملہ آور ہیں جن کی سرکوبی کی خاطر پھر اقصیٰ کی دیواریں ایوبی کو صدائیں دے رہی ہیں۔ چیخ چیخ کر پکار رہی ہیں......اے مسلمانوں آؤ اقصیٰ کی بیٹیوں کی چادریں چھنی جارہی ہیں...... مسجد اقصیٰ میں انہیں بے حرمت کیا جارہا ہے معصوم بچے ننھے ننھے ہاتھوں میں غلیل و پتھر لیے ہماری کی حفاظت پر مامور ہیں......کیا اب بھی ہم اقصیٰ کی آواز پر لبیک نہیں کہیں گے؟۔کیا ہمارا فرض نہیں بنتا کہ ہم ان کے حق میں آواز اٹھائیں۔لیکن ہمیں کیا فرق پڑتا ہے مسجدوں کے شہید ہوجانے سے ارے ان سے پوچھو اقصیٰ کی حقیقت کیا ہے جو آئے دن صحن اقصیٰ میں غاصب یہودیوں سے پنجہ آزمائی کر کے جام شہادت نوش کرتے ہیں ہم سے تو اپنی بابری مسجد بچائی نہ گئی ہم اقصیٰ کی کیا خبر لیں گے......اے مسلمانو یاد رکھو......اسی طرح ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے اور دعا کرتے رہے تو تاریخ گواہ ہے اللہ کسی ایسی قوم کو مسلط کردے گا تم پر جو تمہیں تار تاریوں کی طرح تہہ تیغ کردیں گے اور پھر ان ہی میں سے کسی کو پاسباں منتخب کریں گے......آزمائش اور عذاب کے فرق کو سمجھو......حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے اندر تبدیلی لائیں اقصیٰ کی بازیابی کے لئے تن من دھن سے اٹھیں خدا قسم یہودی بڑی ذلیل قوم ہے اللہ ہمیں اس پر غلبہ عطا فرمائیں گے......ان شاء اللہ۔اے فلسطینی شیر دل مجاہد و ہم مجبور ہیں لیکن تمہارے غم میں برابر کے شریک ہیں اقصیٰ صرف تمہارا ہی قبلہ اول نہیں بلکہ ہم تمام کا ہے ان شاء اللہ اس پہ کوئی گزند نہ آنے دیں گے......اور مجھے آپ کے اس داودی پتھر پہ پورا یقین ہے کہ وہ پتھر ان کافروں کو تہہ تیغ کردے گا ان شاء اللہ۔حالیہ ایک ہفتہ سے یہودی سال نو کے موقع پر ایک بار پھر اقصیٰ کی دیواریں لہولہان ہیں کھڑکیاں توڑی جارہی ہیں گیٹ اکھاڑے جارہے ہیں لیکن پورے عالم اسلام سے کسی بھی مسلم حکمراں کے آواز فلسطین کے حق میں نہیں اُٹھ رہی ہے کل کچھ فلسطینی بچیاں اسلامی مما لک کا جھنڈا لیے ہوئے قبۃ الصخرا کے مین گیٹ پر بیٹھی ہوئیں تھیں اس آس پر کہ کوئی تو ہماری دادرسی کرے وہ تو بھلا ہو اردگان کا جو ڈٹ کر ہر محاذ پر ہر ممکن طریقے سے مدد کرتے ہیں اور اللہ جزائے خیر دے شاہ عرب شاہ سلمان کو جنہوں نے اس قضیہ پر اپنی خاموشی توڑی ہے اور اسرائیل کے خلاف سخت نوٹس لینے کا اشارہ دیا ہے۔یاد رکھیں اقصیٰ یہ صرف اہل فلسطین کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ پوری دنیا میں بسنے والے ہر کلمہ گو مسلمان پر ضروری ہے کہ اقصیٰ کی حفاظت کیلئے سعی کریں، خصوصاً اہل عرب جو مکمل طور پر اسلامی مما لک کہلاتے ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ بحیثیت مسلم قائد ہونے کہ اہل فلسطین کو ظالموں کے شکنجہ سے بچائے اور اقصیٰ کی حفاظت کی خاطر ایوبی کا عزم پیدا کر کے دنیائے ظلم وستم پر حملہ آور ہو، بصورت دیگر وہ دن دور نہیں جب ہم اقصیٰ کا نام تو سنیں گے لیکن اقصیٰ کا نام ونشان ختم ہو چکا ہوگا اور اسکی جگہ ہیکل سلیمانی ہوگا اور اقصیٰ کے آنسوؤں کے سیلاب میں ہم تمام گناہگار ہوں گے۔

(مضمون نگار بصیرت میڈیا گروپ کے نیشنل بیورو چیف ہیں)

❁ ❁ ❁

ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ وارانہ منافرت

ملک اور سیاست کے لئے لمحۂ فکریہ

.... ● مفتی احمد نادر القاسمی

جب سے مرکز میں بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کی حکومت برسر اقتدار آئی ہے پورے ملک میں اور بالخصوص شمالی ہند کے مختلف اضلاع میں مسلم دشمنی کا ایسا لگتا ہے کہ ایک فیشن چل پڑا ہے، ہندو سماج کا وہ طبقہ جو ملک کی ساری منفعت اپنی جھولی میں بھر لینا چاہتا ہے، اور خود کو بھارت کی سرزمین کے سیاہ و سفید کا مالک تصور کرتا ہے، اس نے تو مسلم دشمنی کی حد ہی پار کردی ہے۔ اس کے نزدیک نہ انسانیت کوئی چیز ہے اور نہ ہی ملک کے قانون وانتظام کا پاس ولحاظ، ملک کا عدالتی نظام، سیاسی ایجنسی اور ڈیفینس سب کچھ ان کے کارندے ہیں، اور وہ اپنی مرضی کے مطابق ان کو حکم صادر کررہے ہیں اور ملک کی یہ ساری ایجنسیاں ملک کے مستقبل، انسانی حقوق اور ملک کے دیگر باشندوں کے ملکی و آئینی حق کو بالائے طاق رکھ کر ان کی فرمابرداری کررہے ہیں۔

ملک کا 80 فیصد طبقہ وہ ہے جو نہ حال کا شعور رکھتا ہے اور نہ مستقبل کا ادراک، ان کو ہندو راشٹر کے نام پر یہ طبقہ اپنا ہمنوا بنانے، ان کو ورغلا کر مسلمانوں کے خلاف ہتھیاروں سے لیس کرنے اور زیادتی پر اکسانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، یہ طبقہ بڑی ہوشیاری سے خود کو دیش بھگت اور دوسروں بالخصوص مسلمانوں کو ملک کا دشمن قرار دے کر ملک کی اس سب سے بڑی اقلیت کو سماج سے کاٹ کر اکیلا اور تنہا کردینا چاہتا ہے، سیاسی اور معاشی حقوق تو پہلے ہی ان سے سلب کرلئے گئے کہ ملک کی آزادی کے وقت تک جو سرکاری ملازمتوں میں 29 فیصد تھے، اب وہ ڈیڑھ فیصد پر آچکے ہیں۔ اب ان کو اچھوت بنادینے کی فرقہ پرست طاقتوں نے مکمل طور پر منصوبہ بندی کرلی ہے۔

اس وقت حال یہ ہے کہ کوئی سیاسی جماعت اس کے حقوق کے لئے اس لئے کھڑی نہیں ہوسکتی کہ ملک میں عام ہندوؤں کے ذہن میں یہ بات بٹھادی گئی ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے علاوہ ملک میں ہندوؤں کی ہمدرد اور کوئی سیاسی پارٹی نہیں ہے۔ اس لئے ان پارٹیوں کو بھی خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر ہم نے ذرا بھی مسلمانوں کے لئے نرمی دکھائی تو ہمارا سیاسی مستقبل خطرے میں پڑسکتا ہے، اور خود ہماری برادری کے لوگ ہمیں ووٹ نہیں دیں گے، اس لئے کوئی بھی سیاسی جماعت ہو خواہ کانگریس ہو، سماج وادی پارٹی ہو یا دیگر علاقائی پارٹیاں مسلمانوں کے حق میں نہ بولنے والی ہے، اور نہ ہی حقوق کی بات کرنے

والی۔ اگر کوئی ضابطہ اور قانون ان کے حق میں بن بھی جاتا ہے تو چونکہ جوڈیشری ان کے اشارے پر کام کرتی ہے، اس لئے اس کو چیلنج کرنا اور ختم کرنا ان کے لئے چٹکی کا کھیل ہوتا ہے۔

اس فرقہ پرست طبقہ نے کچھ دنوں تک مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں پر بھی زیادتی کی تھی، مگر امریکہ کے ایک ہی جملہ: کہ ''اپنے ملک میں اقلیتوں کے خلاف ہونے والی زیادتیوں کو درست کیجئے'' نے سارے معاملے ٹھیک کر دیئے۔ سکھ کے خلاف یہ مورچہ سنبھال نہیں سکتے، رہ گئے بیچارے مسلمان جن کے پاس نہ تو معاشی قوت ہے اور نہ ہی سیاسی اثر ورسوخ، 90 فیصد طبقہ غربت و افلاس کی زندگی گزار رہا ہے اور تعلیم کا کیا کہنا، ان کے پاس تعلیم ہونے کے باوجود یہ ناخواندہ شمار ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے وزن کا یہ حال ہے کہ معمولی قسم کا بھارتیہ جنتا پارٹی کا لیڈر اور کارندہ ایک منٹ میں 25 کروڑ مسلمانوں کو پاکستان بھیج دینے کی بات کرتا ہے، گاؤں دیہات میں جو بیچارے دو چار گھر مسلمانوں کے ہیں ان کے گھر میں گھس کر عورتوں کی عزت لوٹتا ہے، گھر جلا دیتا ہے اور پھر قتل کر دیتا ہے اور اس کو فرقہ وارانہ فساد کا نام دیدیتا ہے تاکہ کسی کے خلاف کوئی کیس ہی نہ بن سکے، اور پورے ملک میں ہماری قوت کا رعب و دبدبہ بھی قائم ہوجائے، اور یہ سارے ان کے مجرمانہ کرتوت حکومت وقانون کی نظر میں نہ تو ظلم ہے اور نہ ہی انسانی حقوق کی خلاف ورزی۔ اس طرح اُس شر پسند طبقے کو ہر طرف سے شہ مل رہی ہے، اور وہ پورے ملک میں فساد اور فرقہ وارانہ نفرت کی فضا پیدا کرنے میں مصروف ہے۔

> ملک میں عام ہندؤوں کے ذہن میں یہ بات بٹھادی گئی ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے علاوہ ملک میں ہندوؤں کی ہمدرد اور کوئی سیاسی پارٹی نہیں ہے۔ اس لئے ان پارٹیوں کو بھی خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر ہم نے ذرا بھی مسلمانوں کے لئے نرمی دکھائی تو ہمارا سیاسی مستقبل خطرے میں پڑ سکتا ہے، اور خود ہماری برادری کے لوگ ہمیں ووٹ نہیں دیں گے، اس لئے کوئی بھی سیاسی جماعت ہو خواہ کانگریس ہو، سماج وادی پارٹی ہو یا دیگر علاقائی پارٹیاں مسلمانوں کے حق میں نہ بولنے والی ہے، اور نہ ہی حقوق کی بات کرنے والی۔ اگر کوئی ضابطہ اور قانون ان کے حق میں بن بھی جاتا ہے تو چونکہ جوڈیشری ان کے اشارے پر کام کرتی ہے، اس لئے اس کو چیلنج کرنا اور ختم کرنا ان کے لئے چٹکی کا کھیل ہوتا ہے۔۔

اب ان حالات میں جب کہ مسلمانوں کے لئے ساری امید کی ڈور بھی کٹ چکی ہے، بھارت کے 25 کروڑ مسلمانوں کو شہری، آئینی، ملکی اور انسانی حقوق کی بنیاد پر اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرنا ہوگا۔

ابھی نوئیڈا میں محمد اخلاق مرحوم کو جس طرح ظلماً ان کے بچوں کے سامنے گائے کے گوشت کا جھوٹا بہانہ بنا کر شہید کیا گیا اور بھی اس طرح کے واقعات پورے ملک میں مختلف بہانوں سے ہوں گے، جس طرح کہیں ''لو جہاد'' کے نام پر تو کہیں ''گھر واپسی'' کے نام پر غریب مسلمانون کو جبر وتشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ یہ مسئلہ یہیں ختم ہونے والا نہیں ہے۔ جب بی جے پی اقتدار میں

نہیں تھی تو لوگ کہتے تھے کہ یہ پارٹی اقتدار کے حصول کے لئے فرقہ وارانہ فسادات کراتی ہے۔ جب اقتدار میں آجائے گی تو سب بند ہوجائے گا۔ آخر سوچنے کی بات ہے کہ جس طبقہ نے مہاتما گاندھی کونہیں بخشا وہ بھلا اتنے ہی پر اکتفا کرسکتا ہے؟۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

آر ایس ایس نے بھولے بھالے دلتوں کو اپنے فریب میں جس طرح لے کر ملک کا تانا بانا تیار کیا ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ ملک میں فسادات ہوں گے اور خوب ہوں گے۔ نتیجہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔

آج ملک میں گوشت خوری پر پابندی لگائی جارہی ہے جبکہ یہ سب کو معلوم ہے کہ کم وبیش 30 سے 35 کروڑ بلکہ اس سے بھی زیادہ لوگوں کی غذائی ضرورت گوشت سے پوری ہوتی ہے، میں تو کہتا ہوں کہ اگر بات ایسی ہی ہے تو بھارت میں ہر جاندار کے گوشت کھانے پر پابندی لگائی جانی چاہئے۔ بڑا، چھوٹا، بکرا، مرغا، انڈا اور مچھلی سب پر پابندی لگنی چاہئے چونکہ سب جاندار ہیں اور ملک کا ایک بہت بڑا اجینیوں کا طبقہ اس کا بھی عقیدہ رکھتا ہے اور ملک کے گوشت خور طبقہ کو محض چھ ماہ صبر وضبط کے ساتھ ہر طرح کے گوشت سے باز رہنا چاہئے۔ پھر دیکھئے ملک کی معیشت کیا رنگ لاتی ہے اور آلو اور بھنڈی اور بیگن کی قیمت کہاں پہنچتی ہے اور کتنے کروڑ انسان غذائی بحران کا شکار ہوکر موت کے منہ میں جاتے ہیں، اور پھر اس پر دنیا ان کے منہ پر کس طرح تھوکتی ہے۔ وہ بھی دیکھنے کے قابل ہوگا۔

اور آخری بات میں مسلم قیادت سے کہنا چاہوں گا کہ:

نہیں اقبال ہے ناامید اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

اب بھی ملک میں سیکولر اقدار پر یقین رکھنے والے لوگوں کی بہت بڑی تعداد ہے۔ ہمت اور حوصلے کے ساتھ اپنے وطن کو بچانے اور ملک کے سنجیدہ طبقہ کی عزت وآبرو اور جان ومال کے تحفظ کے لئے ملک گیر کنونشن بلائے، اور موجودہ حکومت سے دوٹوک سوال کرے، کہ ملک کے شہریوں اور بالخصوص مسلمانوں کے جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ کی حکومت کی ذمہ داری ہے یا نہیں؟۔ ملک کا 25 کروڑ مسلمان حکومت سے یہ سوال کرنا چاہتا ہے، اگر حکومت کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے تو بتائے، مسلمانوں کا ملک کی سیاست، عدالت اور سکیورٹی سے بھروسہ اٹھتا جارہا ہے، اگر حکومت اس کی ضمانت نہیں دیتی تو مسلمان خود غور کرے گا کہ اس کے مستقبل کے تحفظ کے لئے اسے کیا کرنا چاہئے۔ نوئیڈا سانحہ کے بعد ملی قیادت کی خاموشی یہ اچھی علامت نہیں ہے۔ مصلحت پسندی کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اپنے دفاع سے بھی سرمو انحراف کرلیا جائے اور صدائے احتجاج بھی بلند نہ کیا جائے۔ اس بات کو بہرحال ہمیں محسوس کرنا چاہئے، کہ شرپسندوں کے حوصلے بلند سے بلندتر ہوتے جارہے ہیں۔ پورے ملک میں ان کے ہاتھ ہماری گردنوں تک پہنچ جائیں اس سے پہلے ہمیں سیکولر اقدار اور انسانیت کی بقا کے نقطۂ نظر سے آگے آنا چاہئے۔

❁ ❁ ❁

ٹیپو کے شہر میں

مجاہدین آزادی کو خراج عقیدت

● مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی ....

برصغیر ہندوپاک کی تاریخ میں ٹیپو سلطان ایک لازوال اہمیت وعظمت کا مالک شخص کہلاتا ہے۔ دنیا کی تاریخ بمشکل اس اولوالعزم سلطان کی نظیر پیش کر سکے گی۔ ٹیپو سلطان نہ صرف ایک مردِ مجاہد تھا بلکہ حقیقی معنیٰ میں ایک مردِ مؤمن تھا۔ عالم، عابد، ممتاز منتظم باکمال جرنیل اور خداترس حکمراں تھا۔ اسے ایک تجربہ کار سیاستدان اور غیر معمولی بصیرت رکھنے والا عوامی رہنما اور قائد ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔

عنان حکومت سنبھالنے کے فوراً بعد ٹیپو سلطان نے دوکاموں پر خاص توجہ دی۔ ایک جانب اپنی پوری توجہ اتحاد بین المسلمین اور اتحاد بین الاقوام ہند پر مرکوز کی۔ دوسری جانب ملک کی صنعت وحرفت پر پوری توجہ دی۔ سلطان کے یہی عزائم و ارادے تھے جس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو سلطان کا مخالف بنادیا اور اسی مخالفت نے اس کو تمام عمر جنگوں میں مصروف رکھا۔ مگر باوجود اس کے سلطنتِ خداداد میسور نے صنعت وحرفت اور دیگر فنون میں جو ترقی کی وہ میسور کو کبھی دوبارہ حاصل نہ ہوسکی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی جان چکی تھی کہ اگر ٹیپو سلطان کو اپنے ارادوں میں کامیاب ہونے دیا جائے تو پھر ہندوستان پر قبضہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

ٹیپو سلطان کے خطرہ کو ختم کرنے کے لیے انگریز، نظام اور مرہٹے متحد ہو گئے۔ انگریز اسے ہندوستان پر اپنے اقتدارِ کامل میں سب سے بڑی، بلکہ واحد رکاوٹ سمجھتے تھے۔ اس اتحاد کے مقصد کو مزید کامیاب بنانے اور رائے عامہ کی اخلاقی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے انگریزوں نے ٹیپو سلطان کی مفروضہ چیرہ دستیوں کو اس انداز میں دور تک پہنچادیا کہ خود اپنے بھی اس سے نفرت کرنے لگے۔ فورٹ ولیم کی دیواروں پر کھڑے ہوکر اعلان کردیا گیا کہ ٹیپو سفاکی میں چنگیز خان اور ہلاکو سے بڑھ کر ہے۔

ٹیپو سلطان کی شہادت اور سلطنت خداداد کے زوال کے بعد انگریزوں کے مقابلے کے لیے کوئی بڑی طاقت نہیں رہ گئی تھی۔ ملک میں ان کے توسیع پسندانہ عزائم کی راہ میں ٹیپو سلطان ہی سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ اس کی شہادت کے بعد ہی ان کی زبان سے پہلی دفعہ یہ معنی خیز جملہ نکلا کہ آج سے ہندوستان ہمارا ہے۔

ٹیپو سلطان نے اپنے عہد حکومت میں زندگی کا کوئی لمحہ اطمینان اور چین سے نہیں گزارا۔ یہ سارا عرصہ جنگی معرکوں میں گزرا جو مہلت ملی اس میں وہ اپنے زیرِ اقتدار علاقوں میں زراعت کی ترقی، آب رسانی کی سہولتوں میں اضافے، نہروں اور تالابوں اور سڑکوں اور پلوں، بندرگاہوں اور نئے شہروں کی

تعمیر، چھوٹی بڑی صنعتوں کی ترقی، فوجی وانتظامی اصلاحات اور بیرون ملک و پڑوسی حکمرانوں سے سفارتی روابط اور داخلی معاملات پر گفت وشنید جیسے اہم انتظامی وتعمیراتی امور میں الجھا رہا۔ ساتھ ہی ساتھ میدان جنگ کے نقشوں کو مرتب کرتا، لڑائی کی منصوبہ بندی کرتا اور اپنے عمال حکومت، فوجی سالاروں اور قلعہ داروں کو ہدایات جاری کرتا۔ اس کی شہادت کے بعد اس کے ذخیرے سے ملنے والے چار ہزار سے زائد خطوط کے موضوعات ومندرجات اس کی ایسی کارگزاریوں کا واضح ثبوت ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ جس فرمانروا کی زندگی کا ایک ایک لمحہ شہزادگی سے شہادت تک مسلسل خوفناک لڑائیوں میں گزرا، اسے ان معاملات پر توجہ دینے کا وقت کیوں کر ملتا تھا۔ حق یہ ہے کہ سلطان حکومت کو خدا کی طرف سے امانت سمجھتا تھا اور اس امانت کا حق ادا کرنے کی جیسی عملی مثال اس نے پیش کی، اس کی نظیریں بہت کم ملیں گی۔

ٹیپو سلطان نے تخت نشینی کے بعد اپنی رعایا کے نام جو پہلا سرکاری فرمان جاری کیا اس میں بلاتفریق مذہب وملت اپنی رعایا کی اخلاقی اصلاح، ان کی خوشحالی، معاشی وسیاسی ترقی، عدل وانصاف، جاگیرداروں اور زمین داروں کے ظلم وستم سے نجات، مذہبی ولسانی وطبقاتی عصبیت کا خاتمہ، اور دفاع وطن کے لیے جان کی بازی لگا دینے کا عزم کیا۔ ملک کے قدیم طرز حکمرانی کو یکسر بدل دیا۔ سلطنت کے امور میں عوام کو زیادہ سے زیادہ حصہ دینے کے لیے کوشاں رہا۔ اس نے جمہوری تقاضوں کے پیش نظر ایک مجلس شوریٰ قائم کی جس کا نام مجلس غم نباشد تھا۔

ٹیپو سلطان نے تخت نشین ہونے کے بعد دو نئے آئین بنائے۔ ایک فوج کے لیے جس کا نام فتح المجاہدین تھا اور دوسرا عوام کے لیے جس کا نام ملکی آئین تھا۔ سرنگاپٹم میں جامع الامور کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم کی جہاں بیک وقت دینی و دنیاوی دونوں طرح کی تعلیم دی جاتی تھی۔ حکومت کی طرف سے مختلف علوم وفنون کے ماہرین کو بھاری مشاہرہ پر یہاں مقرر کیا گیا تھا۔

ٹیپو سلطان کی اس طرح کی بے شمار خصوصیات، عظیم کارنامے اور حیرت انگیز واقعات ہیں جو سالوں گذر جانے کے بعد بھی لوگوں کے دل ودماغ میں نقش ہے۔ شہر میسور میں جانے کے بعد یہ چیزیں اور بھی تر وتازہ ہو جاتی ہیں۔ کچھ ایسا ہی حال چند دنوں قبل میسور میں ایک پروگرام میں شرکت کے دوران ہوا تھا۔ 15 اگست 2015 کو دارالعلوم صدیقیہ عربک کالج میسور میں جنگ آزادی میں علماء کے کردار کے عنوان پر ایک پروگرام کا انعقاد کیا گیا تھا۔ جس میں ہندوستان کے نامور علماء کرام کے ساتھ احقر بھی شریک تھا۔ حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی صاحب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو، مولانا شاہد صاحب مظاہری امین عام مظاہر علوم سہارنپور، مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مہتمم درالعلوم وقف دیوبند، حضرت مولانا حکیم محمد عثمان صاحب قاسمی مدنی چیرمین برکت المدینہ فاؤنڈیشن مدینہ منورہ، حضرت مولانا قاری عبدالحمید صاحب امام وخطیب مسجد السلام دبئی، ڈاکٹر شہاب ثاقب قاسمی اور دیگر کئی اہل علم اور بزرگان دین شامل تھے۔

ہندوستان کی جنگ آزادی علماء کرام اور مدارس اسلامیہ کی مرہون منت ہے۔ انگریزوں کو ہندوستان سے دور رکھنے کے لئے ٹیپو سلطان نے پوری زندگی اپنی جدو جہد جاری

رکھی لیکن جب اپنے ہی غداروں کی بدولت انہیں کامیابی نہیں مل سکی اور 1857 میں بالکلیہ ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا تو اسے برٹش حکومت کے چنگل سے آزاد کرانے کے لئے پوری جدوجہد یہاں کے مسلمانوں نے ہی کی۔علماء نے اپنی قربانیاں پیش کی۔تن من دھن کی بازیاں لگائی گئی اور بالآخر علماء کی قربانیوں کی بدولت ہندوستان کو انگریزوں سے آزادی ملی۔

ہندوستان میں جنگ آزادی کی تاریخ 17 ویں صدی سے ہی شروع ہوجاتی ہے جب ملک میں انگریز اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے بڑھتے اثرات کو دیکھتے ہوئے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے جہاد کا فتوی جاری کیا تھا۔ اور مسلمانوں نے انگریزوں کے خلاف آزادی کی تحریک شروع کردی تھی۔جس میں تقریباً ہزاروں لاکھوں علماء نے اپنی قربانیاں پیش کی۔نواب سراج الدولہ والی بنگال،حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی،سید الطائفہ مولانا امداداللہ مہاجر مکی،حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی،حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی۔امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد ،حضرت مولانا حسین احمد مدنی۔حضرت مولانا محمد علی جوہر،حضرت مولانا مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد،شاہ اسمعیل شہید رائے بریلی، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی،حضرت مولانا ولایت علی، حضرت مولانا منت اللہ رحمانی ، حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی،مولانا فضل حق خیرآبادی،اور دیگر علماء کرام شروع سے پیش پیش رہے۔انگریزوں نے بھی اپنی جدوجہد انہیں علماء پر مرکوز کردی۔انگریزوں کو بھی اس بات کا یقین تھا ٹیپو سلطان کے بعد ہمارے راہ میں حائل یہی علماء اور مدارس کے پروردہ ہے۔ ہندوستان پر حکومت برقرار رکھنے کے لئے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ان علماء کا خاتمہ کیا جائے ، انہیں جیل کی کالی کوٹھریوں میں بند کردیا جائے۔جب تک یہ علماء رہیں گے ہندوستان پر اطمینان کے ساتھ حکومت کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکا۔ چناں چہ انگریزوں نے علماء کے خلاف ملک بھر میں گرفتاری شروع کردی۔ایک انگریز موء رخ کے مطابق صرف دہلی میں 52 ہزار علماء کرام کو پھانسی کے پھندے پر لٹکایا گیا۔

خلاصہ یہ کے ٹیپو سلطان کے شہر میں علماء کرام اور مجاہدین آزادی کی خدمات اور قربانیوں کے حوالے سے یہ پروگرام کافی اہم رہا۔پروگرام کا عنوان ہی اپنے آپ میں اہم تھا اور پھر اس کا مرد مجاہد ٹیپو سلطان کی سرزمین میں ہونا ایک اور عظیم بات تھی۔

ٹیپو کی سرزمین پر بیٹھ کر ٹیپو سلطان اور مجاہدین آزادی کی خدمات کا تذکرہ کرکے یوں محسوس ہورہا تھا کہ ان حالات کا ہم نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے۔علماء کرام کی قربانیاں اور انگریزوں کو یہاں دور رکھنے کی ٹیپو سلطان کی جہد مسلسل کل کی بات ہے۔پروگرام کے منتظم حاجی محمد شفیع اللہ عراقی صاحب دبئی ،محمد تاج الدین صاحب۔ دارالعلوم صدیقیہ عربک کالج میسور ،اور ٹیپو ر سلطان ویلفئر ٹرسٹ کے ذمہ داران قابل مبارکباد ہیں اور یہ توقع ہے کہ ٹیپو کی خدمات اور ان کے بعد ان کے مشن پر چلتے ہوئے بعد کے لوگ جنہوں نے تحریک جنگ آزادی میں شرکت کی تھی ان کی قربانیوں کو یاد کرنے اور انہیں خراج عقیدت پیش کرنے کا یہ سلسلہ جاری رکھیں گے۔

❁ ❁ ❁

حضرت مولانا سید شاہ شوکت علی عبد الغفور نظیرؒ

(17 نومبر 1934-10 اکتوبر 2015)

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

.... ● مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

جلیل القدر روحانی وربانی عالم دین، شیخ طریقت، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے تلمیذ رشید، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے خلیفہ ومجاز، ہندوستان کے تاریخی شہر عروس البلاد ممبئی کی جامع مسجد کے امام وخطیب، سنت وشریعت، علم وعمل، حلم وبردباری اور زہد وتقویٰ کے عظیم پیکر از ہر الہند دارالعلوم دیوبند کے قدیم اور مایہ ناز فاضل حضرت مولانا سید شاہ شوکت علی عبدالغفور نظیر صاحبؒ مؤرخہ 10 اکتوبر 2015 کو اپنے آبائی وطن مہسلہ کوکن میں 81 سال کی عمر میں طویل علالت کے بعد رب حقیقی سے جا ملے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت کے انتقال پر ملال سے نہ صرف ممبئی، کوکن، جامعہ حسینیہ شری وردھن کے اساتذہ وطلبہ، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات کی فضا رنج وغم میں تبدیل ہوگئی، بلکہ اس بے مثال خلیق و نرم دل عالم ربانی کے سانحہ ارتحال سے ہندوستان کا پورا علمی حلقہ مغموم اور حزن وملال میں ہے۔

حضرت مولانا شوکت علیؒ اپنے مشہور و معروف اساتذہ کرام حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی، حضرت مولانا مفتی ظہور، حضرت مولانا بشیر احمد خان، حضرت مولانا عبدالاحد رحمہم اللہ کے علوم ومعارف کو گذشتہ پچاس برسوں تک جامع مسجد کے ممبر ومحراب سے دنیا تک پہونچاتے رہے اور شمالی ہند کے فیضان کو جنوب ہند میں جاری رکھے ہوئے تھے۔

حضرت مولانا شوکت علی عبدالغفور نظیر رحمۃ اللہ علیہ اس عہد کے عظیم ترین بزرگوں میں سے ایک اور اسلاف واکابر کی یادگار تھے۔ان میں بزرگی کے وہ تمام اوصاف جمع تھے جو ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے اور اپنے اسلاف کی دینی وعلمی مجلسوں میں سنا ہے۔آپ خلوص وللّٰہیت اور خوف خداوندی کے جذبہ سے سرشار اور مال ومتاع کی حرص ولالچ سے ہمیشہ دور رہے۔ ملت کی سربلندی، مسلمانوں کی ترقی، علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت کے حوالے سے پوری زندگی متفکر رہے، خوش مزاج طبیعت کے مالک تھے۔اجتماعی فکر وذہن اور اعمال وخدمات کی وسعتوں کے لحاظ سے ملت اسلامیہ کی ایک معتبر ومتعارف شخصیتوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔متبع سنت عالم دین ہونے کے ساتھ ایک مشفق اور مخلص بزرگ بھی تھے۔حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خودداری والی صفت سے سرشار تھے۔

حضرت تھانویؒ کے بعد کسی بزرگ میں اگر ہم نے خودداری کا مشاہدہ کیا ہے تو وہ واقعی حضرت مولانا شوکت علی کی ذات تھی۔ دنیاوی منفعت کی خاطر وہ کبھی بھی کہیں کسی سیاست داں اور اہل ثروت سے ملنے نہیں گئے، عہدہ اور پیسہ کے لئے انہوں نے کبھی بھی کسی کی دہلیز پر دستک نہیں دی۔ ہم نے اپنے رفقاء سے یہ بھی سنا ہے کہ جب کوئی صاحب ثروت ملاقات کے لئے فون کر کے حاضر ہونا چاہتے تو آپ ملنے سے انکار کردیتے اور کہتے وہیں سے میرے لئے دعاء فرمائیں۔ ان کی اسی سادگی اور دنیا سے بے رغبتی کے سبب بڑے بڑے سیاست داں اور بزنس مین خود ان سے ملاقات کے لئے آتے تھے۔ یہ آپ کا انفرادی طرہ امتیاز تھا کہ ممبئی میں سبھی طبقہ کے لوگ آپ کے عقیدت مندوں میں شامل ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مولانا زہد وتقویٰ میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے، وہ اخلاص وللّٰہیت کے منبع ومرکز تھے، انہیں دنیا سے کوئی لگاؤ نہیں تھا، وہ کسی کے سامنے جھکتے نہیں تھے، شہرت و ناموری سے دور رہتے تھے اور امت مسلمہ کا مفاد ہی انہیں ہمیشہ عزیز رہتا تھا۔ حضرت کا چہرہ انتہائی نورانی اور روشن تھا، آپ ہمیشہ خوش اخلاقی کے ساتھ ملتے تھے، بے پناہ شفقت و محبت کا معاملہ فرماتے اور اپنی دعاؤں سے نوازتے تھے۔ راقم الحروف کو ممبئی میں کئی بار حضرت مولانا سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، اور ہر بار بندہ نے یہ محسوس کیا کہ اس اعلیٰ مقام پر فائز رہ کر بھی وہ خوردنوازی کی صفت سے مالا مال تھے، اپنے چھوٹوں سے بھی انتہائی خلوص ومحبت سے ملتے تھے۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ آپ حرص وطمع اور ریاکاری سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔

آپ کا مزاج مذہب ومسلک کی تفریق کے بغیر سب کو ساتھ لے کر چلنے والا تھا۔ بقائے انسانیت اور اصلاح امت کے لئے ہمیشہ فکرمند نظر آتے، اور جہاں تک ہوتا آپ عملی طور پر اس کی کوشش کرتے۔ حضرت مولانا جیسی شخصیت صدیوں میں پیدا ہوتی ہے جن کی موت کا غم یقینی ہے اور ان کی تلافی ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ حضرت کی رحلت درحقیقت موت العالِم موت العالَم کی مصداق ہے، جس پر ہر شخص غمزدہ اور رنجیدہ نظر آرہا ہے۔

حضرت مولانا شوکت علی بن عبدالغفور نظیر کی 17 نومبر 1934ء کو بمقام میندری ضلع رائے گڑھ کوکن میں ولادت ہوئی، 1955ء میں ازہر ہند دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کرنے بعد وطن لوٹ کر حسبۃً للہ امامت وخطابت نیز مکتب دینی تعلیم کے فرائض انجام دینے لگے۔ ایک سال تک بستی میندری میں بھی خدمت انجام دی، اس کے بعد حضرت مولانا غلام محی الدین صاحبؒ امام وخطیب جامع مسجد ممبئی جو حسن اتفاق شری وردھن کے ہی رہنے والے تھے نے بلا کر بنگالی پورہ مسجد کی امامت کے فرائض ان کے ذمہ سونپ دی۔ چونکہ آپ کا ذوق علمی تھا جس کی وجہ سے بنگالی پورہ مسجد کو جلد ہی خیرآباد کہہ دیا اور گجرات کی مشہور درسگاہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں درس وتدریس سے منسلک ہوگئے اور مسلسل تین برس تک تدریسی خدمات بحسن وخوبی انجام دی۔ پھر مولانا غلام محی الدینؒ نے جامعہ ڈابھیل کے مہتمم حضرت مولانا سعید بزرگ کو خط لکھا کہ اب مولانا شوکت علی کو ممبئی بھیج دیا جائے، چنانچہ مہتمم صاحبؒ کے حکم سے وہ ممبئی آگئے، اور تقریباً پچاس سال تک جامع مسجد ممبئی میں

امامت وخطابت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اس دوران کوکن کے بہت سے اداروں کی سرپرستی فرماتے رہے جن میں جامعہ حسینیہ شری وردھن، مدرسہ فیض العلوم نیرول، فیض القرآن کالسۃ، انجمن دردمندان تعلیم وترقی ٹرسٹ مہاڈ رائے گڑھ مہاراشٹر بطور خاص شامل ہیں۔ حضرت مولانا کے پسماندگان میں دو بھائی سید کفایت اللہ اور سید احسان اللہ، ایک بیٹا سید ارشد علی اور ایک بہن ہیں۔

حضرت کی خدمت کا دائرہ نہ صرف اصلاح وتربیت، امامت وخطابت کا تھا، بلکہ آپ دینی وملی امور میں بھی خاصی دلچسپی لیتے، ہر ملی کانفرنس اور کاز میں شریک رہتے تھے اور اہل خیر کو مدارس ومکاتب کے تعاون پر آمادہ کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ حضرت والا ہر حلقہ میں مقبول ومعروف اور قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ۵۰ سالہ دینی وملی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور ان کی رحلت سے ممبئی اور کوکن سمیت ملک بھر میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کو اپنے فضل سے پُر فرمائے۔

میں خصوصی طور سے مہسلہ میندری کے باشندگان، حضرت کے پسماندگان میں دونوں بھائی جناب سید کفایت اللہ صاحب، سید احسان اللہ صاحب ان کے صاحبزادے جناب سید ارشد علی، ان کی ہمشیرہ سے قلبی طور پر اظہار تعزیت کرتا ہوں اور ان کے لئے صبر جمیل کی دعاء کرتا ہوں اور اپنی بات اس شعر پر ختم کرتا ہوں کہ:

جان کر منجملہ خاصان میخانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

❁ ❁

بقیہ: حاجی عبدالرزاق کالسیکر:

ان کی موت سے ایک عظیم خلاء پیدا ہوا ہے جس کی تلافی ناممکن ہے۔ جس وقت مجھے ان کے انتقال پر ملال کی خبر ملی کچھ دیر کے لئے میں سکتے آ گیا۔ میرے ذہن ودماغ ماؤف ہوگئے تھے کہ خدایا یہ کیا ہوگیا۔ حاجی صاحب کے فرزند جناب سلیم بھائی، جناب سراج صاحب، جناب ریاض صاحب، جناب جمیل صاحب، جناب انیس صاحب، جناب امتیاز صاحب۔ ان کی تینوں دختر نیک اور اہلیہ محترمیہ کی خدمت میں ہم نم آنکھوں کے ساتھ تعزیت پیش کرتے ہیں۔ ان کے غم میں ہم برابر کے شریک ہیں۔ ان کی موت سے صرف اہل خانہ غمزدہ نہیں ہے بلکہ علم وعمل سے تعلق رکھنے والا ایک بڑا طبقہ ان کی موت کا ماتم منا رہا ہے۔ اس عظیم محسن کی کمی کو یاد کر رہا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کے اہل خانہ ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کو پایہ تکمیل تک پہچا کر انہیں سچی خراج عیقدت پیش کرنے کیلئے ہمیشہ مستعد رہیں۔ ان کے مشن کو فروغ دیں کیوں کہ یہی ان کے لئے سچی خراج عقیدت ہوگی اور نیک صالح اولاد کی اپنے والد کے لئے خدمت، عظمت اور محبت شمار کی جائے گی۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

❁ ❁ ❁

حاجی عبدالرزاق کالسیکر: کچھ یادیں کچھ باتیں

............● مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

یہ دنیا آنی اور جانی ہے، موت سے کسی کو رستگاری نہیں، دنیا کے ہر ایک جاندار کے لئے موت کا مزہ چکھنا امر یقنی ہے۔ موت ہی ایک ایسا امر ہے جس پر دنیا کی سبھی قوم متفق ہے۔ آج تک کسی نے موت کی حقیقت کا انکار کرنے کی جرات بیجا نہیں کی ہے اور نہ ہی کوئی کرسکتا ہے۔ کب کس کا بلاوا آجائے کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے لیکن کچھ موتیں ایسی ہوتی ہیں۔ اس دنیا کو الوداع کہنے والی کچھ شخصیات کچھ ایسے اوصاف کی حامل ہوتی ہیں جن کے ساتھ گذارے ہوئے لمحے کبھی ذہن و دماغ سے مسح نہیں ہوتے ہیں۔ ان کے کارنامے، ان کے نمایاں اعمال ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ جب بھی ان واقعات، حالات کا سامنا ہوتا ہے ان کے ساتھ بیتے ہوئے لمحے ذہن میں تر و تازہ ہوجاتے ہیں۔ ایسی ہی شخصیتوں میں ایک نمایاں نام ہمارے مشفق و محترم جناب حاجی عبدالرزاق کالیسکر کا تھا جو گذشتہ 10 اگست 2015 کو صبح دس بجے. زندگی کی 84 بہاریں دیکھ کر اس دار فانی سے دارالبقا کی طرف کوچ کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ حاجی صاحب گذشتہ ڈھائی سال سے قومہ میں تھے جس سے جانبر نہ ہوسکے اور 10 اگست کو جانب آخرت رخت سفر باندھ گئے اور دبئی میں ہی ان کی تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔

حاجی عبد الرزاق صاحب نیک سیرت، رحم دل، منکسر المزاج اور متفکر اور صاحب درد شخص تھے۔ انہوں نے پوری زندگی ملی مسائل پر اپنی نگاہ رکھی۔ مختلف مسائل پر اپنے دوست و احباب سے تذکرہ کرتے۔ اہم مسائل پر بحث کرتے۔ جب بھی کوئی نازک مسئلہ پیش آتا وہ اپنی فکرمندی ظاہر کرتے۔ مسلمانوں کی تعمیر ترقی، معاشرہ کی اصلاح، مسلم سماج میں بڑھتی ہوئی بے حیائی کے تئیں اپنی فکرمندی ظاہر کرتے اور جہاں تک ہوتا مسلمانوں کی، ضرورت مندوں، اور مدارس اسلامیہ کی مدد کرتے۔

حاجی صاحب سے میرا تعلق تقریبا 22 سالوں سے تھا۔ 1994 میں میری ان سے پہلی ملاقات ہوئی اور اسی ملاقات میں انہوں نے اپنے حسن اخلاق کا ایسا جلوہ پیش کیا کہ میں دن بہ دن ان کے قریب ہوتا گیا۔ ہمارے اور ان کے درمیان تعلقات میں گہرائی پیدا ہوتی رہی۔ ایک مرتبہ حاجی صاحب کے ساتھ احقر کو عمرہ کرنے کا بھی موقع ملے۔ عمرہ کے اس سفر میں حاجی عبدالرزاق صاحب کالیسکر، حاجی رضوان احمد اعظمی ابوظہبی کے ساتھ راقم الحروف بھی شامل تھا۔ اس مدت میں نے یہی محسوس کیا کہ ان کے اندر ملت کی خدمت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ ہر مسلمان ترقی کے ساتویں آسمان پر ہوں۔ مسلمان قوم جہاں بھی رہے عزت

اور سر بلندی کے ساتھ رہے۔ کسی بھی موقع پر انہیں ذلت ورسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حاجی عبدالرزاق صاحب کا سانحہ ارتحال امت کے لئے عظیم خسارہ ہے، کیوں کہ آپ کی ذات گرامی مجموعہ خیر تھی، وہ دنیا بھر بالخصوص ہندوستان اور صوبہ مہاراشٹر کے سیکڑوں دینی وفلاحی اداروں سے جب تک زندگی نے وفا کی وابستہ رہے، دینی، دعوتی، ملی اور انسانی خدمت کیلئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی، ان کے اندر ملت کی فلاح وبہبود کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس کا جیتا جاگتا نمونہ ہے کہ ان کی خدمات کا دائرہ پورے عالم میں پھیلا ہوا ہے، وہ بلا تفریق مذہب وملت خیر کے کام کو انجام دیتے تھے۔ دبئی جیسے چمک دمک والے شہر میں اپنی تجارت کو فروغ دینے کے ساتھ ہمیشہ دین ومذہب سے اپنا رشتہ استوار رکھا۔

مرحوم حاجی صاحب اخلاق کریمانہ کے پیکر تھے، ہر شخص سے اپنائیت اور خاکساری کے ساتھ ملتے، ایسا لگتا جیسے بہت پرانی شناسائی ہو۔ کیا چھوٹے کیا بڑے، ہر ایک سے یکساں سلوک فرماتے۔ راقم الحروف کئی مرتبہ مختلف مسائل پر تبادلہ خیال کا موقع ملا، اور ہر بار محسوس کیا کہ آپ حق بات کو بلا کسی تردد کے جلد قبول کر لیتے۔ آپ کے اندر وسیع القلبی اور وسیع النظری پائی جاتی تھی۔ علما نواز تھے، چنانچہ علما اور اہل علم کی دل سے قدر کرتے تھے اور ہر ممکن اعانت بھی فرماتے تھے۔ اللہ پاک حاجی صاحب کے خیر کو تا قیامت باقی رکھے۔ حاجی صاحبؒ کی سب سے بڑی خوبی آپ کا درد مند دل تھا، چنانچہ انہوں نے خدمت خلق کو اپنا مشن بنالیا تھا۔ اگر حاجی صاحبؒ کی پوری زندگی کا جائزہ لیا جائے تو ان کا کوئی عمل اس سے خالی نظر نہیں آتا۔ اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ حاجی صاحب کے دینی مشن کو زندہ و پائندہ رکھا جائے اور یہ ذمہ داری۔

میرے لئے یہ بات باعث فخر ہے حضرت حاجی صاحب جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار اور اس کی خدمات کی دل سے ستائش فرماتے تھے۔ یہاں کے کاموں کی تعریف کرتے تھے۔ اور ایک علم دوست شخص ہونے کا پورا ثبوت پیش کرتے تھے۔ جامعۃ القاسم کی ترقی اور اس کی بڑھتی سرگرمیوں کے خبریں ان کے لئے خوشی و مسرت کا سامان ہوا کرتی تھی۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ وہ جامعۃ القاسم کو اپنا ادارہ سمجھتے ہوئے ہمیشہ اس کے تعلق فکر مند رہتے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ حاجی صاحب کے انتقال پر ملال کی اطلاع ملتے ہی جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ یہاں کے طلبہ اور اساتذہ میں غم کے بادل چھا گئے۔ ہر کوئی افسردہ اور غمزدہ نظر آیا۔ ان طلبہ کے چہرے صاف بتا رہے تھے کہ آج جامعۃ القاسم ایک بڑا ہمدرد اور علم دوست شخص اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اسی وقت جامعۃ میں ایصال وثواب کے لئے دعائیہ مجلس کا اہتما کیا گیا جس میں اساتذہ اور طلبہ نے قرآن پاک کی تلاوت اور ایک لاکھ ہزار کلمہ طیبہ پڑھ کر مغفرت اور بلندیہ درجات کے لئے دعائیں کی گئیں۔

خلاصہ یہ کے حاجی صاحب کی شخصیت اپنے آپ میں ایک مثال اور نمونہ تھی۔ (بقیہ صفحہ ۸۲ پر)

نوائے جامعہ

حضرت مفتی صاحب اور جامعۃ القاسم کی سرگرمیاں

............● ابوحمنہ شہاب

روزنامہ انقلاب کے خصوصی شمارہ ''دارالعلوم دیوبند'' کیلئے

تہنیتی پیغام

ملک کے بدلتے ہوئے حالات میں سماج کو ایک غیر جانب دارانہ اور منصفانہ صحافت کی ضرورت اس لئے زیادہ ہے کہ موجودہ عہد میں ذرائع ابلاغ نے پوری دنیا کو اپنی مٹھی میں دبوچ لیا ہے۔ اور سماج پر بھی میڈیا کے اثرات کو بہت ہی واضح طور پر محسوس کیا جارہا ہے۔ یہ بات اب ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ میڈیا نے عالمی سطح پر لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ خبروں کے علاوہ مسرت وشادمانی اور رنج والم کے جو واقعات کسی زمانے میں سماج، ریاست اور ملک تک محدود رہتے تھے، اب ذرائع ابلاغ کے توسط سے آن واحد میں پوری دنیا تک پھیل جاتے ہیں۔ ''گلوبل ولیج'' کا مطلب ہی یہی ہے کہ دوریاں اور فاصلے باقی نہیں رہے آپ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بیک وقت پوری دنیا سے روابط قائم کرسکتے ہیں۔ ان سب مثبت اور مفید نتائج کے باوجود اس کے منفی اثرات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

ہندوستان میں جب جب اردو صحافت کا ذکر ہوگا روزنامہ 'انقلاب' کی انقلابی صحافت کا تذکرہ ضرور آئے گا۔ عروس البلاد ممبئی میں آزادی سے قبل اور مابعد آزادی اردو صحافت میں انقلاب برپا کرنے کے بعد جب انقلاب نے ۲۰۱۱ء میں شمالی ہند کا رخ کیا تو بہت ہی کم وقت میں یہاں بھی اپنی منفرد خصوصیات کے سبب بلندیوں کو چھولیا۔ بلاشبہ اس بڑی کامیابی کا سہرا انقلاب کے ایڈیٹر (شمالی ہند) محترم شکیل حسن شمسی اور ان کی پوری ٹیم کے سر جاتا ہے۔ شمسی صاحب قابل قدر صحافی اور قلم کار کے ساتھ ساتھ ایک اچھے انسان ہیں، ان کے اندر حب الوطنی اور انسانیت کی بقا وتحفظ کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انقلاب ان کی سربراہی میں دن دونی رات چوگنی ترقی کی طرف گامزن ہے۔ ازہر ہند دارالعلوم دیوبند پر انقلاب کی تاریخی پیش کش ان کی مذہبی اور علم دوستی کا بین ثبوت ہے۔ اس مبارک موقع پر میں روزنامہ انقلاب کی کاوشوں کی ستائش کرتے ہوئے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں علامہ اقبال کے اس شعر کے ساتھ کہ۔

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہے

(روزنامہ انقلاب ۲۹/اکتوبر ۲۰۱۵ء)

برصغیر میں مسلم نشاط ثانیہ کے علمبردار،
مصلح قوم سرسید احمد خاںؒ
بانی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے 198ویں یوم پیدائش پر
تہہ دل سے خراج عقیدت

تاریخ گواہ ہے کہ سرسید احمد خاں علیہ الرحمہ نے مسلمانوں میں بیداری علم کی تحریک پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا، مسلمانوں کو جمود سے نکالنے اور انھیں باعزت قوم بنانے کے لئے ان کی سخت جدوجہد تاریخ ہند کا سنہری باب ہے۔ وہ ایک عظیم مفکر، بلند خیال مصنف اور مصلح قوم تھے۔ اس لئے انھوں نے مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کا بیڑا اس وقت اٹھایا جب ہند کی زمین مسلمانوں پر تنگ تھی اور انگریز ان کے خون کے پیاسے تھے۔ وہ توپوں سے اڑائے جاتے تھے، انھیں سولی پر لٹکایا جاتا تھا، کالا پانی بھیجا جاتا تھا۔ ان کے گھروں کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی تھی، ان کی جائدادیں ضبط کرلی گئیں تھیں۔ نوکریوں کے دروازے ان پر بند تھے اور معاش کی تمام راہیں

مسدود تھیں۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اصلاح احوال کی اگر جلد کوشش نہیں کی گئی تو مسلمان، سائیں، خانساماں، خدمتگار اور گھاس کھودنے والوں کے سوا کچھ اور نہ رہیں گے۔

ایسے پرآشوب دور میں مسلمانوں کو زوال وانحطاط سے نکالنے کے لئے مسلم یونیورسٹی کی داغ بیل ڈالی اور اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پوری زندگی انتھک کوششیں کیں کہ:

''ہم اپنی قوم کے بچوں کو آسمان سے اونچا دیکھنا چاہتے ہیں''

آیئے اس موقع پر عہد کریں کہ ہماری نئی نسل ان کے تعلیمی مشن کو اپنا کر ملت کی سرخروئی کا باعث بنے۔

اے ایم یو کے موجودہ شیخ الجامعہ جناب لیفٹننٹ جنرل ضمیر الدین شاہ کو بھی مبارکباد پیش کرتے ہیں جو سرسید کے مشن کو آگے بڑھانے مین مسلسل سرگرداں ہیں اور ان کی سربراہی میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا تعلیمی وتربیتی قافلہ رواں دواں ہے۔

اللہ رب العزت علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سمیت ملک میں پھیلے ہوئے تمام دینی وملی اداروں کو ہمہ جہت ترقیات سے نوازے اور فتنوں سے محفوظ رکھے۔ (آمین)۔

(روزنامہ خبریں ۱۷راکتوبر ۲۰۱۵ء)

سعودی عرب کے قومی دن پر

عرب قوم کی عظمت کو سلام

تاریخ کا یہ دستور رہا ہے کہ اس نے دنیا میں پیدا ہونے والے انسانوں کو یاد رکھا ہو یا نہ رکھا ہو، مگر ان کی خدمات کو ضرور برسوں یاد رکھا ہے، ملت اسلامیہ بالخصوص عالم عرب کی تاریخ کے انمول اوراق شاہد ہیں کہ آل سعود کے خاندان نے گزشتہ سو برسوں سے عربوں کے تحفظ، عالم اسلام کی رفعت وعظمت، کلمہ توحید کی سربلندی اور حضور نبی کریمؐ کے لائے ہوئے نظام کے نفاذ کے لئے عظیم قربانیاں دی ہیں۔ جزیرہ نما عرب کے دل سے انبیاء کرام کے ذریعہ توحید وسنت کا جو نعرہ بلند ہوا تھا، آل سعود کا سب سے بڑا مقصد توحید وسنت کے اسی عظیم فلسفے کو زندہ رکھنا اور مشرکانہ عقائد کے خلاف جہاد کرنا تھا۔ آج اس کے اثرات پورے عالم اسلام میں الحمدللہ نظر آرہے ہیں۔ یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں ہے کہ اس خاندان نے دین کی خدمت ایک مقدس فریضہ سمجھ کر انجام دی۔

دنیا کے مختلف گوشے سے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے لئے آنے والے حجاج کرام آل سعود کی سوسالہ عظیم حکومت، حرمین شریفین کی بے لوث خدمت اور عرب قوم کی قابل رشک ضیافت کو تہہ دل سے خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور تاقیامت کرتے رہیں گے۔

اس وقت مملکہ کے قومی اور مبارک دن پر بطور خاص خادم حرمین شریفین شاہ سلمان بن عبدالعزیز حفظہ اللہ، جملہ مشیران وعہدہ داران اور پوری عرب قوم کو بندۂ عاصی مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی، جامعۃ القاسم دارالعلوم اسلامیہ، اس کے اساتذہ، طلبہ اور کارکنان عمیق قلب سے مبارک باد پیش کرتے ہیں اور دعاگو ہیں کہ لائق صداحترام خادم حرمین شریفین شاہ سلمان بن عبدالعزیز حفظہ اللہ کے سایہ عاطفت کو صحت وعافیت کے ساتھ تادیر امت اسلامیہ پر قائم رکھے۔ (آمین یا رب العالمین)۔

(روزنامہ انقلاب ۲۳ر ستمبر ۲۰۱۵ء)

جامع الامام محمد قاسم النانوتوی کا نوے فیصد کام مکمل

شمالی بہار کی ممتاز دینی درسگاہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار میں نئے تعلیمی سال کے مسرت آغاز کے بعد سے ہی تعلیمی ودعوتی سرگرمیاں عروج پر ہیں۔ اس درمیان ملک و بیرون ملک کی کئی معزز شخصیات نے جامعہ کا دورہ کیا اور یہاں کے نظام تعلیم وتربیت کی ستائش کی، جامعہ کی تعمیراتی سرگرمیوں کا قریب سے معائنہ کیا۔ بالخصوص جامع الامام محمد قاسم النانوتوی جس کی پہلی منزل کا نوے فیصد کام مکمل ہو چکا ہے اور اس کی تزئین کاری حسن و خوبی کے ساتھ جاری ہے۔ اب جامع الامام محمد قاسم النانوتوی کی دوسری منزل کا تعمیراتی کام ماہر کاریگروں کی نگرانی میں بحسن وخوبی انجام دیا ہے۔ اس کی چھت کی ڈھلائی کے لئے مخیّرین حضرات کی توجہ مطلوب ہے۔ امت کے بہی خواہان اس نیک عمل میں بڑھ چڑھ

کر حصہ لیں۔اس لئے کہ مسجد کی تعمیر بڑا کار ثواب ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو اللہ کے لئے مسجد بناتا ہے اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بناتا ہے۔

مسلم پرسنل لا میں مداخلت نا قابل برداشت

سپول:3/نومبر(پریس ریلیز) ملک کے موجودہ حالات میں ایک طرف جہاں اقلیتوں اور پسماندہ طبقات کو مختلف قسم کے خطرات لاحق ہیں، وہیں دوسری طرف شرانگیز عناصر اصل مسائل سے توجہ ہٹانے کیلئے عدالتوں میں غیر ضروری درخواست دے کر عدلیہ کو الجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ایسے لوگوں کا مقصد بھی صرف اور صرف مسلمانوں کو خوفزدہ اور ان کے لئے ترقی کی راہیں مسدود کرنا ہے، ان حالات میں مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کیلئے سپریم کی ایک بنچ کا چیف جسٹس سے علیحدہ بینچ کے قیام کا مطالبہ سراسر غیر مناسب اور شریعت میں مداخلت ہے۔ یہ باتیں معروف عالم دین امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ کے جنرل سکریٹری جناب مفتی محفوظ الرحمن عثمانی بانی و مہتمم دار العلوم الاسلامیہ سپول بہار نے اپنے ایک پریس بیان میں کہیں۔

واضح رہے کہ جسٹس اے آر دوے اور اے کے گوئل کی بنچ نے چیف جسٹس سے کہا ہے کہ مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی ناگزیر ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے خواتین کو منمانے طریقے سے طلاق دیا جا رہا ہے اور مرد ایک سے زیادہ شادیاں کر رہے ہیں، وراثت میں بھی خواتین کو امتیازی سلوک کا سامنا ہے، چونکہ شادی اور طلاق کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے عدالت عظمٰی سے گزارش ہے کہ اسے ٹھیک کیا جائے۔

ممتاز عالم دین مفتی عثمانی نے کہا کہ مسلم پرسنل لا میں وقت کے ساتھ تبدیلی کی ضرورت کا مطالبہ اور ایک سے زیادہ نکاح اور طلاق جیسے حساس مسئلہ کو چھیڑنا کسی سازش کا حصہ ہے۔ ملک کے آئین میں سبھی ہندوستانی کو اپنے مذہب کے مطابق زندگی بسر کرنیکی مکمل آزادی ہے، پھر رہ رہ کر اس طرح کا شوشہ چھوڑنا آئینی اعتبار سے مسلمانوں میں عدم تحفظ کا احساس دلانے کے مترادف ہے۔ انھوں نے کہا کہ شرعی معاملات اور پرسنل لا میں حکومت یا عدلیہ کی کسی بھی قسم کی مداخلت قطعی نا قابل برداشت ہے۔ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے جس کے آئین میں سبھی مذاہب کے لوگوں کو عائلی مسائل میں اپنے اپنےمذہب کے اعتبار سے زندگی گزارنے کا پورا حق دیا گیا ہے۔

مفتی عثمانی نے کہا کہ ایسے کسی بھی تبصرہ یا مطالبے کے وقت معزز جج صاحبان کو ملک کے قوانین کا پورا لحاظ رکھنا چاہئے۔ انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کو شریعت نے جو زندگی گزارنے کا طریقہ اور ضابطہ بتایا ہے، کسی بھی بہتر اور صاف ستھرے معاشرے میں اس سے بہتر ضابطہ نہیں مل سکتا۔اپنے بیان میں انھوں نے کہا کہ اس انتہائی سنجیدہ معاملہ میں ارباب مسلم پرسنل لاء بورڈ اور بہی خواہان ملت، مدارس کے ذمہ داران، ائمہ مساجد اور دانشوران قوم کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہئے۔انہیں مذہبی، سیاسی، سماجی اور آئینی سطح پر مسلمانوں کو کمزور کرنے کی سازش کا مقابلہ کرنے کے لئے ٹھوس اور مضبوط حکمت عملی تیار کرنی چاہئے۔مفتی عثمانینے کہا کہ عدلیہ کو اپنے دائرہ میں کام کرنے کا اختیار ہے، مگر کسی کے جائز حقوق پر نقب زنی کرنیکی اجازت ہندوستان کا آئین نہیں دیتا ہے۔اور اس طرح کے تبصروں سے ملک کی سب سے بڑی اقلیت مسلمان آئینی اعتبار سے بھی خود کو غیر محفوظ تصور کریں گی، ساتھ ہی عدلیہ پر بھی ان کا اعتماد کمزور ہو جائے گا۔

امیر شریعت مولانا سید نظام الدین کا سانحہ ارتحال ایک عہد کا خاتمہ

نئی دہلی 17 اکتوبر ((آئی این ایس انڈیا) موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس، یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب ملت اسلامیہ کے عظیم پاسبان اور مسلمانان ہند کے میر کارواں تھے، ان کی پوری زندگی جہد مسلسل سے عبارت ہے۔ چنانچہ ان کی قیادت میں مسلم پرسنل لاء پورڈ نے ایک عظیم کامیابی حاصل کی ہے اور کئی اہم کام انجام پائے۔ان خیالات کا اظہار امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب

امیر شریعت بہار اڑیسہ جھاکھنڈ کے انتقال پر ملال پر معروف عالم دین و ممتاز ملی رہنما مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی صاحب مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار نے کیا۔ امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ دہلی سے جاری ایک پریس نوٹ کے مطابق مفتی عثمانی نے کہا حضرت کی وفات ملت اسلامیہ کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے۔ انہوں نے پوری زندگی امارت شرعیہ اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کی جس انداز سے قیادت کی ہے اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملے گی۔

رفتہ رفتہ بزم سے اٹھ رہی ہیں ہستیاں بے نظیر
دل کا شاق بڑھتا جارہا ہے پیہم اضطراب

مفتی عثمانی نے اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حضرت امیر شریعت کا انتقال ملت کے لئے سوہان روح ہے۔ ان کی شخصیت صرف بہار اور ہندوستان تک محدود نہیں تھی بلکہ پوری مسلم دنیا کے لئے وہ نمونہ عمل تھے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت امیر شریعت کو جس وقت امارت میں لایا گیا اس وقت آپ مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی چمپارت میں استاذ تھے۔ جب آپ امارت آئے تو اس وقت امارت شرعیہ کا دفتر خانقاہ مجیبیہ پٹنہ کے ایک چھوٹے سے کمرے میں تھا جہاں سے امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی، قاضی القضاۃ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب اور مولانا سید نظام الدین صاحب رحمہ اللہ کی جہد مسلسل سے پھلواری شریف کی ایک وسیع وعریض جگہ میں امارت کا دفتر منتقل ہوا۔ مفتی عثمانی نے کہا حضرت امیر شریعت کے کھینچے ہوئے خطوط پر چلتے ہوئے انہوں نے پوری زندگی امارت کے لئے وقت کردی تھی۔ مدبر اسلام حضرت مولانا سید رابع حسنی ندوی صاحب کے ساتھ کے مسلم پرسنل لاء بورڈ کی بقاء اور مسلم حقوق کے تحفظ کے لئے انہوں نے جو خدمات انجام دیے ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ مولانا سید نظام الدین صاحب مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی کے خاص معتمد تھے۔ اور ان کے بعد بورڈ کے بقاء کی جنگ لڑنے میں انہوں نے نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ مفتی عثمانی نے ان کی زندگی کے احوال بتاتے ہوئے کہا کہ آپ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے خصوصی شاگرد تھے اور انہیں سے بیعت بھی تھے۔ ان کی زندگی جہد مسلسل اور دیانت داری وامانت داری سے عبارت ہے۔ انہوں نے اپنے بڑے عہدے پر فائز رہتے ہوئے بھی نام ونمود سے ہمیشہ اپنے آپ کو دور رکھا جو ان کی نمایاں اور عظیم خصیوصیت ہے۔ مفتی عثمانی صاحب نے کہ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت رکن مجلس شوری آپ نے ہمیشہ اہم اور مثبت فیصلہ دیا اور ہر موقع پر دارالعلوم دیوبند کی صحیح رہنمائی فرمائی۔

مفتی عثمانی صاحب نے کہا کہ سید نظام الدین مخلص قائد صدیوں میں پیدا ہوتا ہے۔ ان کی وفات سے ملت اسلامیہ ہند کے درمیان جو کمی پیدا ہوئی ہے اس کی تلافی ناممکن ہے۔ مفتی عثمانی صاحب کہا کہ ہم حضرت کے اہل خانہ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعا گو ہیں کہ امارت شرعیہ اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کی قیادت ایسے شخص کے ہاتھ میں آئے حضرت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ملت کی پاسبانی کا فریضہ انجام دے۔

گل بداماں زندگی کی موت ہے آخر آغوش گل

دعلم رضائے الٰہی کے لئے حاصل کریں

دیوبند (سعید ہاشمی)

سیمانچل ڈیولپمنٹ کے چیئر مین مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے کہا کہ تحصیل علم کیلئے اخلاص نیت شرط اولین ہے نام ونمود سے عاری اکابر واسلاف نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں جو ہمار ے لئے قابل تقلید ہے لہذا طلبہ مدارس کو چاہئے کہ علم دین رضائے الٰہی کیلئے حاصل کریں انہوں ہماری دنیا وآخرت کی سربلندی کا باعث قرار دیتے ہوئے اسلامی تشخص کی بقاء کیلئے عملی جدوجہد کو لازم قرار دیا۔ مفتی عثمانی گذشتہ روز ممتاز دینی درسگاہ دارالعلوم زکریا دیوبند میں شیخ الحدیث جامعہ مولانا سمیع اللہ گونڈوی کی زیر سرپرستی منعقدہ اصلاحی اجلاس عام پر بطور مہمان خصوصی خطاب کررہے تھے۔ انہوں نے بانی داارلعلوم دیوبند حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا

رشید احمد گنگوہیؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور دیگر بزرگان دیو بند کے روشن کارناموں کو ہمارے لئے مشعل راہ قرار دیتے ہوئے زور دیا کہ وہ دوران تعلیم درسیات کی پابندی اور اساتذہ کا ادب و احترام اور کتابوں کی عظمت کا بھر پور خیال رکھیں بایں صورت ہمیں دونوں جہاں میں سرخ روئی اور تمام میدان میں نیک نامی اور کامیابی حاصل ہوگی۔انہوں نے محی السنّت حضرت مولانا ابرارالحق ہردوئیؒ کے چند ناصحانہ واقعات پر روشنی ڈالتے ہوئے انہیں جلیل القدر عالم دین قرار دیتے ہوئے اس امر پر زور دیا کہ اپنے اندر اخلاص وتقوی پیدا کریں انہوں نے متقی و پرہیز گار انسان کو اللہ کا محبوب قرار دیا اور ہر کام اللہ کی خوشنودی کیلئے کیا جائے تو ہمیں کامیابی ملے گی۔مفتی موصوف نے کہا کہ ہمیں علم دین کے حصول کے ساتھ عمل کو یقینی بنائے بغیر کامیابی ناممکن ہے مولانا نے اصلاح معاشرہ اور آخرت میں کامیابی کیلئے قربت الٰہی پر زور دیا۔انہوں نے کردار عمل اور ایمان کی پختگی پر زور دیتے ہوئے کہا کہ اپنے تمام مسائل اللہ کی بارگاہ میں رکھیں مولانا نے دارالعلوم زکریا دیو بند کے مہتمم مفتی شریف خان کی ادارہ کے تئیں مخلصانہ جدوجہد کو قابل ستائش قرار دیتے ہوئے قلیل عرصہ میں ادارہ کی مثالی ترقی کو محض نصرت الٰہی اور ذمہ داران ادارہ کی محنتوں کا ثمرہ قرار دیا۔انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ طلبہ اپنے کو اخلاص وعمل کے سانچے میں ڈھال کر علم دین کی نشر و اشاعت کیلئے خود کو وقف کردیں۔انہوں نے ہر عمل میں اخلاص نیت کو کامیابی کی کنجی قراردی اور کہا کہ آپ اکابرین دارالعلوم دیو بند کے طرز عمل کو اختیار کرتے ہوئے علم دین حاصل کریں۔اس موقع پر مفتی شریف خان نے کہا کہ ادارہ اپنے بانی شفیق الامت حضرت مولانا شفیق خانؒ کے طے کردہ اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے روز افزوں شاہراہ ترقی پر گامزن ہے۔انہوں نے ناصحانہ کلمات میں طلبہ سے قربت الٰہی پر زور دیتے ہوئے حصول مقصد کے تئیں جہد مسلسل اور عمل پیہم جیسی صفات کو پیدا اور اپنانے کو کامیابی کی بنیاد قرار دی۔قبل ازاں ادارہ کے مہتمم اور ذمہ داران نے مہمان وفد کا پرزور خیر مقدم کیا۔اجلاس کی صدارت مفتی شریف خان نے کی جبکہ نظامت کے فرائض مفتی ارشد فاروقی نے انجام دیئے۔مہمان خصوصی کے طور پر مولانا نسیم احمد مظاہری شیخ الحدیث مدرسہ نورالسلام میرٹھ، ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی، مفتی شمس تبریز قاسمی، نے شرکت کی۔جبکہ خصوصی شرکاء میں مولانا سمیع اللہ گونڈوی، مفتی ہارون قاسمی، مفتی شاہنواز قاسمی، مفتی سلیمان قاسمی، قاری تنسیق احمد، قاری سلمان، قاری محمد اجمل، الحاج بابوعمران سمیت جملہ اساتذہ اور طلبہ جامعہ موجود رہے۔مولانا نسیم احمد کی رقت آمیز دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔آخر میں مولانا شریف احمد خان نے تمام مہمانوں اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی کی سیکولر پارٹیوں کو ووٹ دینے کی اپیل

دیو بند: دارالعلوم وقف دیو بند کے صدر مہتمم مولانا محمد سالم قاسمی نے دادری سانحہ کو جمہوری ملک کے لیے سیاہ دن قرار دیتے ہوئے کہا کہ موجودہ عہد میں فرقہ پرست پارٹیوں اور انتہا پسند تنظیموں کے کارکنان کی اشتعال انگیزی اور فرقہ واریت کے ننگا ناچ کی بنا پر ملک کی جمہوریت اور دستور پر منفی اثر پڑ رہا ہے۔انہوں نے بقائے جمہوریت اور فسطائی طاقتوں کو شکست فاش دینے کے لیے قومی یکجہتی اور بقائے باہم جیسے اہم جذبوں کو فروغ دینے کے ساتھ بہار الیکشن میں عوام کو چاہئے کہ وہ سیکولر پارٹیوں کو کامیاب بنائیں۔مولانا سالم قاسمی نے آج یہاں دارالعلوم چوک پر واقع آستانہ قاسمی پر اپنے خلیفہ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی چیئرمین سیمانچل ڈیولپمنٹ فرنٹ بہار کے ہمراہ آئے وفد سے ملاقات کے دوران ملک بھر میں اقلیتی طبقہ کے خلاف ہورہی ظلم وزیادتی پر گہری تشویش کا اظہار کیا۔مولانا نے کہا کہ بہار عوام کو چاہئے کہ وہ فرقہ پرست پارٹیوں کے دلفریب نعروں و بہکاوے میں نہ آکر ہوش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے متحدہ طور پر ایسی پارٹیوں کو مضبوط کریں جو آئین اور جمہوریت پر یقین رکھتی ہیں۔انہوں نے بہار الیکشن کو وہاں کے امن پسند عوام کے لیے آزمائش والا انتخاب قرار دیا۔مولانا نے کہا کہ ریاستی حکومت اور مرکزی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ملک کی گنگا جمنی تہذیب کو مکدر کرنے والی فرقہ

پرست طاقتوں کے خلاف سخت اقدامات کریں تاکہ اس ملک کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور بقائے باہم برقرار رہ سکے۔مولانا قاسمی نے مسلمانوں سے صبر وتحمل اور دوراندیشی کا مظاہرہ کرنے کی اپیل کی۔ مفتی محفوظ الرحمن عثمانی نے مولانا محمد سالم قاسمی کو بہار کے موجودہ سیاسی حالات سے آگاہ کیا۔انہوں نےکہا کہ ملک میں فرقہ پرست طاقتیں سر ابھار رہی ہیں اور یوپی کے حالیہ دادری کے دلخراش سانحہ نے پوری انسانیت اور ملت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔انہوں نے سماجوادی سرکار کی کارکردگی پر سوالیہ نشان لگاتے ہوئے کہا کہ مظفرنگر فساد کے بعد روز افزوں اقلیتی طبقہ پر ہونے والے مظالم پر حکومت کی دورخی پالیسی اس کی منفی سوچ وفکر کا نتیجہ ہے۔دادری سانحہ کو بی جے پی اور سماجوادی پارٹی کی منصوبہ بند سازش کا حصہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ فرقہ واریت کا ننگا ناچ بہار اور آئندہ یوپی انتخابات کا پیش خیمہ ہیں۔ مفتی عثمانی نے کہا کہ عوام کی جان و مال کی تحفظ کی ذمہ داری ریاستی سرکار پر عائد ہوتی ہے، تاہم وہ صوبہ میں فرقہ پرستی پر لگام کسنے میں پوری طرح ناکام ثابت ہورہی ہے۔مولانا نے کہا کہ اگر یہ صورتحال قائم رہی تو وہ دن دور نہیں کہ آئندہ یوپی الیکشن میں سماجوادی پارٹی کو اپنی حیثیت کا پتہ چل جائے۔اس موقع پر مولانا محمد سفیان قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند، مدرسہ نورالاسلام میرٹھ کے شیخ الحدیث مولانا نسیم احمد مظاہری، ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب، مولانا مفتی شمس تبریز قاسمی اور مولانا شاہد قاسمی بھی موجود تھے۔

مسلمانوں کو بھی جے پی کی سازش کو سمجھنے کی ضرورت:

پٹنہ، 10 اکتوبر (آئی این ایس انڈیا) ملک کے سلگتے حالات اور مرکز میں برسر اقتدار بی جے پی سرکار کے عملی کردار نے جمہوریت اور ملک کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی پر سوالیہ نشان کھڑا دیا ہے۔ایسے میں آر ایس ایس کے فرمان پر چلنے والے وزیر اعظم نریندر مودی کی خواہش ہے کہ آہستہ آہستہ سبھی ریاستوں پر ان کا اقتدار آجائے اور وہ آسانی سے ملک کے آئین کو بدل سکیں۔ان حالات میں بہار کے اسمبلی انتخاب پر پورے ملک کی نگاہ ہے اور ملک کا مستقبل داؤ پر لگا ہے۔امن پسند عوام، خصوصا مسلمانوں کو دوراندیشی سے کام لے کر دوست اور دشمن کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔ذاتی مفاد سے بالا تر ہو کر ڈیموکریسی کو بچانے کی ضرورت ہے۔ان خیالات کا اظہار آج یہاں ہوٹل سٹی سینٹر میں پریس کانفرنس سے سیمانچل ڈیولپمنٹ کے چیئرمین اور معروف اسلامی اسکالر مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے کیا۔انہوں نے کہا کہ برسوں کی گردش نے اور سیاسی حالات نے ووٹروں میں سیاسی شعور اور خود اعتمادی پیدا کردی ہے۔مسلم ووٹروں کے خود ساختہ ٹھیکیداروں نے جس طرح ان کا انتخابی استحصال کیا ہے وہ بھی سب کے سامنے ہے۔انتخابی نقشہ بالکل صاف ہے۔ایک طرف نتیش کی سربراہی والا سیکولر 'مہا گٹھ بندھن' ہے تو اس کے مقابلہ بی جے پی کی قیادت والا این ڈی اے۔تشویش کی بات یہ ہے کہ سماج وادی پارٹی، نیشنلسٹ کانگریس اور جن ادھیکار پارٹی نے محض سیکولر ووٹ کی تقسیم اور بی جے پی کی مدد کرنے کے لئے امیدوار کھڑے کردئے ہیں۔اویسی کی مجلس اتحاد المسلمین نہیں بلکہ تھرڈ فرنٹ سیکولر ووٹوں کو منتشر کرنے اور مہا گٹھ بندھن کا سیاسی کھیل بگاڑنے کیلئے میدان میں اتری ہے۔عوام اور مسلم ووٹروں کو اس سیاسی سازش کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ بہار کے انتخابات پر ملک کی ہی نہیں بلکہ بیرون ممالک بھی نظر رکھے ہوئے ہیں۔آر ایس ایس۔ بی جے پی کو مرکز میں غیر معمولی کامیابی ملنے کے بعد اس کے حوصلے بلند ہیں۔انہیں اب ہندوراشٹر کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا دکھائی دیتا ہے اور اسی لئے ریاستی انتخابات میں ہر طرح کی طاقت جھونک دیتے ہیں۔دہلی کے انتخابات میں تو ان کی ساری تدبیریں الٹی ہوگئیں۔مفتی عثمانی نے مزید کہا ہے کہ گذشتہ ڈیڑھ سال سے اس حکومت نے ملک میں لاقانونیت کی جو شکل پیش کی ہے اس کی ہر چہار طرف سے مذمت کی جارہی ہے۔مسلمانوں پر ہر طرح کی زیادتیاں کی جارہی ہیں۔ان کا چین سے رہنا اس حکومت نے دوبھر کردیا ہے۔دادری کا تازہ سانحہ ہندوراشٹر کی بلوپرنٹ کی طرف ان کا پہلا قدم ہے۔

جہاں تک بہار کا سوال نتیش نے بیمار بہار کو پٹری پر لانے

کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور اس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ترقی کی ڈگر پر چل پڑے بہار کو رفتار دینے کیلئے نتیش کو موقع دینا ملک اور ریاست کے حق میں ہے۔ایک سوال کے جواب میں مفتی عثمانی نے کہا کہ دوہری پالیسی اور مسلمانوں کو ٹھگنے کی وجہ سے کانگریس پارٹی پورے ملک میں حاشیے پر چلی گئی۔آر جے ڈی سربراہ لالو پرساد یادو MY کی صف بندی کر کے مسلمانوں کا ووٹ تو لے لیتے ہیں اور یادو کو فتح سے ہمکنار کرا دیتے ہیں،لیکن افسوس کہ وہ یادو کا ووٹ مسلم امیدواروں کو ٹرانسفر نہیں کرا پاتے ہیں۔ٹکٹ کی تقسیم میں بھی انہوں نے جس طرح آبادی کے تناسب سے مسلمانوں کو کم اور یادوؤں کو زیادہ ٹکٹ دیا ہے؛مسلمان یہ بھی اچھی طرح جان رہے ہیں۔ان کے لئے یہی بہتر ہوگا کہ وہ مسلمانوں کے وفا کا بدلہ وفا سے دیں۔اس موقع پر فرنٹ کے جنرل سکریٹری شاہجہاں شاد،محمد اکبر وغیرہ موجود تھے۔

’مکہ میگزین‘ کی اشاعت پر تہنیتی پیغام

ہمت،عزم اور حوصلے کا ناقابلِ یقین سفر!

اگر ہمت جواں ہو اور حوصلے بلند تو کسی بھی قسم کی مشکلات زندگی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن پاتیں۔تاریخ کے سنہرے اوراق ایسے نایاب لوگوں کے واقعات سے لبریز ہیں کہ جنہوں نے جذبے سے کوئی ’نیک ارادہ‘ کیا اور جہد مسلسل کے سبب بہت ہی کم وقت میں اپنے ہدف کو چھو لیا اور آج ان کا شمار کامیاب شخصیات میں ہوتا ہے۔

کاوکاو سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا ، لانا ہے جوئے شیر کا

موجودہ عہد میں نوجوان عالم،نیک سیرت وصالح صفت مولانا شاہد الناصری صاحب ان چنندہ شخصیات میں سے ہیں جو کوہِ بے ستون کھود کر دودھ کی نہر نکالنے کے ہنر سے بخوبی واقف ہیں۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے عروس البلاد ممبئی جیسے چمک دمک والے شہر میں خالص اپنی محنت ولگن،دینی سوچ اور دانشورانہ نظریہ کے سبب ہر طبقے میں منفرد شناخت بنائی ہے اور جدھر جاتے ہیں ان کا والہانہ استقبال ہوتا ہے،کم عمر میں یہ بڑی خوبی کی بات ہے اور یہ ہر کسی کی قسمت میں مقدر نہیں ہوتا بلکہ ’مقدر بھی جو ملتا ہے تو ملتا ہے مقدر سے۔

انتہائی مسرت کی بات ہے کہ عزیز وگرامی قدر مولانا شاہد ناصری صاحب سعودی عرب کے قومی دن کی مناسبت سے’ مکہ میگزین‘ کا خصوصی شمارہ شائع کر رہے ہیں جسے انہوں نے موضوع کی مناسبت سے خوب سجا سنوار کر پیش کیا ہے۔یہ دن ہر سال ۲۳ر ستمبر کو منایا جاتا ہے۔حج کمیٹی آف انڈیا کے ماہنامہ’حج میگزین‘ کی ایک عرصہ تک ذمہ داری سنبھالنے کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے’ مکہ میگزین‘ کے خصوصی شمارہ کو مزین کیا ہے۔

یہ بات لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آرہا ہے کہ امسال سعودی عرب کے قومی دن سے محض چند ایام قبل یعنی ۱۱ر ستمبر بروز جمعہ ۲۰۱۵ء بمطابق ۲۶ر ذی القعدہ ۱۴۳۶ھ مسجد حرام میں جو دلخراش سانحہ پیش آیا اس نے پوری دنیا کے مسلمانوں کو گہرے صدمے سے دوچار کر دیا۔اس سانحے میں تقریبا سوا سو سے زائد عازمین شہید ہو گئے،شہر امن میں پیش آیا دلخراش سانحہ،افسوسناک حادثے کا سبب بنیں تر اسی کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی طوفانی ہوائیں اور موسلا دھار بارش،بارش کے دوران ہی آسمانی بجلی ایک کرین پر گری اور وہ کرین چھت توڑتی ہوئی عازمین پر گر گئی،دیو ہیکل کرین صفا اور مروہ کے درمیان جاری توسیعی منصوبوں کیلئے نصب کی گئی تھی۔قابل مبارک بعد ہیں سعودی حکومت اور خادم حرمین شریفین شاہ سلمان بن عبدالعزیز جنہوں نے مصیبت کی اس گھڑی میں بھی دنیا بھر سے آئے عازمین حج کو کسی خوف وہراس اور مایوسی میں مبتلا ہونے نہیں دیا۔حج کے موقع پر بے نظیر انتظامات کا ہی نتیجہ تھا کہ عازمین کے حوصلے بلند تھے اور وہ اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرتے ہوئے اپنے زخمیوں بھائیوں کی مدد کرتے رہے۔اللہ پاک خادم حرمین شریفین شاہ سلمان بن عبدالعزیز کی خدمات کو قبول فرمائے۔مملکت سعودی عرب کا قومی دن ایسا درخشندہ باب ہے جسے عربوں اور مسلم امہ کی تاریخ میں سنہرے حروف سے رقم کیا جاتا ہے۔عرب دنیا کے سب سے بڑے ملک سعودی عرب

کی ۲۳۹۱ء میں شاہ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن السعود نے بنیاد رکھی، ان کی جانب سے ۸۷/ ہزار مربع میل پر پھیلے ہوئے اس خطے میں جو کہ براعظم ایشیاء یورپ اور افریقہ کے سنگم پر واقع ہے ایک جدید مثالی مملکت قائم کی گئی، جس کی تعمیر قرآن وسنت سے رہنمائی حاصل کر کے ملک کو استحکام، خوشحالی، تحفظ، امن و امان کا گہوارہ بنا کر پائیدار مسلم معاشرہ کے طور پر اقوام عالم میں عزت ووقار سے روشناس کرایا گیا۔

ایسے مبارک موقع پر 'مکہ میگزین' کی اشاعت کو تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔ قابل مبارک باد ہیں مولانا شاہد الناصری صاحب اور ان کی پوری ٹیم جن کی انتھک کوششوں سے یہ دستاویزی علمی شاہکار بروقت منظر عام پر آسکا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی اس کاوش کو اپنی عالی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ اور اسے گھر گھر پہنچانے کی آسان راہ نکال دے (آمین یارب العالمین)۔

'اسلامی تعلیمات کو اپنائے بغیر عالمی امن کا قیام ناممکن'

سیپول، 14 ستمبر (پریس ریلیز)

اسلام امن وآشتی اور صلح پسندی کا مذہب ہے۔ ان دنوں جو پوری دنیا میں قتل و غارت گری اور خون خرابہ کا دور جاری ہے اس کے سدباب کے لئے اسلامی تعلیمات کا اپنانا نہایت ضروری ہے۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس میں تمام امور کی رہنمائی کی گئی اور امن و سلامتی کے قیام کو سب سے زیادہ فوقیت دی گئی ہے۔ ان خیالات کا اظہار مشہور عالم دین مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی صاحب مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سیپول نے ویسٹ انڈیز کی دینی درس گاہ دارالعلوم ترنیڈاڈ تباغو کی جامع مسجد میں ''بقائے انسانیت دعوت الی اللہ کے بغیر ممکن نہیں'' کے موضوع پر منعقدہ سیمینار میں کیا۔

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سیپول سے جاری پریس بیان کے مطابق مفتی عثمانی نے مزید کہا کہ دعوت الی اللہ امت مسلمہ کا سب سے اہم فریضہ ہے جب تک مسلمان اس فریضہ کو انجام دیتے رہے وہ کامیابی کی منزلین طے کرتے رہے لیکن جب سے انہوں نے اس اہم فریضہ سے روگردانی کر لی ذلت ورسوائی ان کا مقدر بن گئی۔

انہوں نے قرون اولی کے مسلمانوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا اس دور کے مسلمانوں نے اپنی پوری توجہ خدائی پیغام کو دور دور تک پہچانے پر مبذول رکھی۔ اسلام کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے انہوں اپنی پوری زندگی قربان کر رکھی تھی۔ لیکن آج کل افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ اسلام کا یہ اہم فریضہ مسلمان ادانہیں کر پا رہے ہیں۔ اس موقع پر تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے عظیم کارنامے کا تذکرہ کرتے ہوئے مفتی عثمانی صاحب نے کہا کہ انہوں نے تبلیغی جماعت کا جو زریں سلسلہ شروع کیا تھا وہ الحمد اللہ دن بہ دن پھل پھول رہا ہے اور ان مغربی ممالک میں بھی دور دور تک یہ جماعت دعوت دین کا فریضہ انجام دے رہی ہے۔ مفتی عثمانی صاحب نے وہاں موجود پندرہ ممالک جماعت کے افراد کو خصوصی طور پر متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت تبلیغی جماعت پوری دنیا میں دین کا سب سے بڑا کام کر رہی ہے اور کوئی اس وصف میں ان کا شریک نہیں ہے۔ انہوں نے کہا جماعت کے رہنماء حضرت مولانا الیاس صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب، مولانا یوسف صاحب کاندھلوی اور دیگر اکابر نے خلوص وللٰہیت کے ساتھ کام کیا ہے اسی کا ثمرہ ہے کہ آج ویسٹ انڈیز کی ایک مسجد میں پندرہ ممالک کی جماعت موجود ہے۔ مفتی صاحب نے جماعت والوں کو ان کاموں پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ کام خالص اللہ کے لئے آپ اسے کرتے رہیں اس کا اجر دنیا میں کوئی نہیں دے سکتا۔

پروگرام سے خطاب کرتے ہوئے مولانا مفتی وسیم خان نے کہا کہ اسلامی ایک دائمی مذہب ہے۔ اس میں تمام امراض کا حل رکھا گیا ہے۔ آج پوری دنیائے انسانیت بحران کی شکار ہے۔ کہیں غریبوں کا حق مارا جاتا ہے۔ کہیں بے گناہوں پر ظلم کیا جاتا ہے۔ کہیں رعایا کو بے جا ستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے کہیں مسلمانوں کے ساتھ مذہب کے نام پر تعصب آمیز رویہ اپنایا جاتا ہے جو یقینی طور پر قابل مذمت اور ایک زوال پذیر معاشرہ کی علامت ہے۔ مفتی وسیم نے کہا کہ اگر دنیا اس انسانی بحران اور نفسیاتی مرض سے افاقہ چاہتی ہے انہیں دامن

اسلام میں پناہ لینی پڑے گی۔اسلام کے آفاقی مذہب اوراس کے عالم گیر تعلیمات کورہنمائے عمل بنانا ہوگاتبھی انسانیت اپنی صحیح صورت میں برقراررہ پائے گی۔انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کا بھی فریضہ ہے کہ دعوت الی اللہ کا کام جاری رکھیں۔اس اجلاس میں بھی ہندوستان، بنگلہ دیش، امریکہ، پناما، پارپڈوس، گیانا، سنت لوسیا سمیت تقریبا پندرہ ممالک سے زائد کی جماعتیں شریک تھیں۔اس موقع پر مفتی عبدالمجید خان استاذ دارالعلوم، مولانا عبدالسلام قاسمی، اورمولانا شیراز سمیت متعدداہل علم شریک تھے۔

مولانا عبدالرحیم بستوی کے سانحہ ارتحال پراظہارتعزیت

نئی دہلی(پریس ریلیز) جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں، کہیں سے آب بقائے دوام لاساقی۔دارالعلوم دیوبند کے سینئر استاد حضرت مولانا عبدالرحیم بستوی کے سانحہ ارتحال کوعلمی اور دینی حلقوں کیلئے عظیم خسارہ قرار دیتے ہوئے معروف عالم دین مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی (بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار) نے کہا کہ علماء کا اٹھ جانا علامات قیامت میں سے ہے، علماء کے اٹھنے کے ساتھ ساتھ علم بھی اٹھتا چلا جاتا ہے،قحط الرجال کے اس دور میں جو چند اہل علم ہیں وہ بھی ہمیں داغ مفارقت دیے چلے جارہے ہیں۔انہوں نے کہا مولانا عبدالرحیم بستوی کے علمی کارناموں کوفراموش نہیں کیا جاسکتا۔اللہ نے انہیں بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھااورانہوں نے اپنی یہ تمام تر صلاحیتیں علم دین کے لئے وقف کررکھی تھیں۔علم منطق وفلسفہ انکا پسندیدہ موضوع تھاچنانچہ دارالعلوم اورملک بھر میں اسی حوالے سے مولانا کی شخصیت متعارف تھی، اورآج پوری دنیا میں مختلف شعبوں میں ان کے سیکڑوں تلامذہ دینی وملی خدمات انجام دے رہے ہیں۔یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت کی علمی و دینی خدمات کا دائرہ کس قدر وسیع ہے۔آخر میں مفتی عثمانی نے کہا کہ حضرت مولانا عبدالرحیم بستوی جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول سے بھی کافی ہمدردی اورخلوص کا اظہار فرماتے تھے۔اس لئے جیسے ہی ان کے انتقال پرملال کی خبر ملی جامعۃ القاسم اوراس کے ماتحت چلنے والے مکاتب میں تعزیتی مجلس کا انعقاد کیا گیا اورقرآن پاک پڑھ کر ایصال ثواب کیا۔مولانا کے صاحبزادے اوردارالعلوم فاروقیہ دیوبند کے مہتمم مولانا نورالہدی قاسمی اور ڈاکٹر شمس الہدی قاسمی سے اظہار تعزیت پیش کرتے ہوئے مفتی عثمانی نے کہا کہ اللہ پاک حضرت مولانا کواپنی آغوش رحمت میں جگہ عطا فرمائے اورپسماندگان کوصبر کی توفیق دے۔آمین۔قابل ذکر ہیں واضح رہے کہ دیوبند میں 9 ستمبر۲۰۱۵ء کودارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز استاذ امام المنطق والفلسفہ مولانا عبد الرحیم بستوی کا طویل علالت کے بعد۸۰رسال کی عمر میں انتقال ہوگیا۔

لندن میں دوروزہ کانفرنس میں مفتی عثمانی صاحب کی شرکت

لندن(پریس ریلیز) قربانی کا ہماری انسانی زندگی سے بہت گہرا ہے تعلق، وہ صحتمند زندگی کی تعمیر کی علامت ہے، مگرموجودہ معاشرے میں قربانی ایک سالانہ رسم بن کررہ گئی ہے، ہرسال عیدالاضحیٰ کے موقع پرلوگ رسمی طورپر جانور توذبح کردیتے ہیں، لیکن اس کا کچھ بھی اثران کی عام زندگیوں میں نظر نہیں آتا۔حالانکہ قربانی کا عمل اگر نیک جذبے کے ساتھ کیا جائے توہمارا پورا معاشرہ بدل جائے گا۔ان خیالات کا اظہار معروف عالم دین مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے الحسنات فاؤنڈیشن لندن کے زیر اہتمام منعقدہ دو روزہ کانفرنس میں کیا۔'موجودہ معاشرے میں قربانی کا اصل پیغام اسلام کی روشنی میں' کے اہم ترین موضوع پرمنعقدہ کانفرنس میں شرکت کیلئے مدعو کرنے پرانہوں نے فاؤنڈیشن کے صدر مولانا علی انور قاسمی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ قربانی کے تعلق سے اللہ تبارک و تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے کہ ''نہ ان کا گوشت اللہ تک پہنچتا ہے اورنہ ان کا خون، ہاں البتہ اس تک تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔''

انہوں نے کہا کہ گوشت اورخون جانور کے جسم میں ہوتا ہے جسے ذبح کیا جاتا ہے اورتقویٰ اُس شخص کے دل کی چیز ہے جو قربانی کرتا ہے۔اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کے بظاہر اگرچہ جانور کو اللہ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے مگر یہ درحقیقت خود کواپنے رب

کے سامنے پیش کرنا ہے۔

مفتی عثمانی نے کہا کہ یوں تو قربانی کا عمل کئی اعتبار سے بندوں سے تعلق رکھتا ہے یہ اس اخلاقی برتاؤ اور انسانی سلوک کا خلاصہ ہے جو قربانی کرنے والے کو اپنے معاشرے کے اندر پیش آتا ہے۔قربانی کا دن دراصل ہمیں ایثار و قربانی کا درس دیتا ہے، گویا، ہم اپنے مذہب، ملک و قوم، عزیز و اقرباء، دوست و احباب اور اپنے گردو نواح کے لوگوں کے لئے قربانی دینے والے بن جائیں۔اپنی خواہشات تعیشات اور ضروریات کو دوسروں کی خواہشوں اور ضرورتوں پر قربان کرنے والے بن جائیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تقلید کرتے ہوئے اللہ کی رضاء و خوشنودی کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہ کریں۔انہوں نے کہا کہ قربانی کرتے وقت ہمیں چاہیے کہ ہم حسد، تکبر، نفرت، انتقام، کینہ، ریا کاری، ہوس، لالچ، طمع، خودغرضی، مطلب پرستی اور خود پسندی جیسے بری صفات کو بھی ذبح کریں، تاکہ معاشرے میں پھیلی ہر سو بدامنی، انتشار، خلفشار اور منافرت کا خاتمہ ہوسکے۔

جامعۃ القاسم میں تعلیمی سال کا آغاز

سپول: شمالی بہار کی ممتاز دینی درسگاہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول میں آج تعلیمی سال کا آغاج ہوا۔اس موقع پر بڑی تعداد میں قرب وجوار کے لوگوں کے علاوہ قدیم وجدید طلبہ کے سرپرست، اساتذہ کرام اور جامعہ کے طلبہ موجود تھے۔بتایا جاتا ہے کہ جامعہ نورالاسلام میرٹھ اتر پردیش کے شیخ الحدیث مولانا مفتی نسیم احمد مظاہری نے مشکواۃ شریف کی پہلی حدیث کا درس دے کر تعلیم کا آغاز فرمایا۔اس سے قبل کئی روز تک داخلے کا سلسلہ جاری رہا۔تجربہ کار اساتذہ، بہتر تعلیم و تربیت کی وجہ سے ریاست بھر سے طلبہ کی خاصی تعداد جامعۃ القاسم کا رخ کرتی ہے۔چنانچہ آج کی تقریب میں طلبہ و اساتذہ کے ساتھ علاقے کے موقر علما کرام بھی موجود تھے۔اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے جامعۃ القاسم کے بانی و مہتمم مفکر ملت مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے کہا کہ قرآن پاک اللہ کی کتاب ہے اور اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود رب کائنات نے لی ہے اس لئے مخالفین تک ہمارا یہ پیغام پہنچادیں کہ قرآن کو مٹانا آسان نہیں ہے۔روئے زمین پر اللہ کی یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کا پیغام آفاقی، اور سب کے لئے رحمت ہے۔انہوں نے کہا کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی قرآن پاک کے خلاف سازشیں کی گئی، دشمنان اسلام کو ناکامی ہی نصیب ہوئی۔آج بھی کچھ طاقتیں قرآن پاک میں نعوذ باللہ تحریف کر کے انٹرنیٹ کے سہارے اسے دنیا میں پھیلانے کی کوششیں کر رہے ہیں۔انہوں نے کہا کہ اس ناپاک مہم میں قادیانی پیش پیش ہیں، یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ اس غلیظ حرکت کے پیچھے مرزا غلام احمد قادیانی کے گرگوں کا ہاتھ ہے۔مگر اسلام کے ان دشمنوں تک آپ یہ پیغام پہنچادیں کہ دین حق کو وہ نقصان پہنچانے کی جتنی بھی کوشش کریں گے اتنا ہی یہ مستحکم و مضبوط ہوگا۔دنیا بھر میں اس وقت ہورہے ہنگامے اور انتہا پسندانہ کارروائی پر بات کرتے ہوئے مفتی عثمانی نے کہا کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا دین ہے جو امن اور سلامتی کی ضمانت دیتا ہے اور ہر سطح پر دہشت گردی اور تخریب کاری کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔آج بھی اسلام کی آفاقی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔اس موقع پر استاذ العلماء مولانا صغیر احمد رحمانی رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، مولانا نورالہدیٰ قاسمی، مولانا طفیل احمد رحمانی، مولانا ضیاء اللہ رحمانی مولانا عبدالمتین رحمانی، شاہد وسیع، قاری شمشیر عالم جامعی، مفتی نبی حسن مظاہری، مفتی عقیل احمد قاسمی، مولانا محمود الحسن ایوبی بھی موجود تھے۔تقریب کی نظامت مفتی انصار احمد قاسمی نے کی۔

حاجی عبدالرزاق کالسیکر کے سانحہ ارتحال پر تعزیتی خط

گرامی قدر عالیجناب بھائی محمد سلیم کالسیکر، بھائی محمد ریاض کالسیکر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رب کائنات سے پوری امید ہے کہ آپ مع اہل وایال کے بخیر ہوں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیشہ آپ اور جملہ اہل خانہ کو صحت وعافیت کے ساتھ رکھے اور ہر طرح کے شر وفساد سے آپ سب کی

حفاظت فرمائے۔آمین

جناب عالی!۱۰ راگست ۲۰۱۵ء کو جب ہم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار میں ایک پروگرام کی تیاری میں مصروف تھے کہ یہ جانکاہ خبر موصول ہوئی کہ آج ملت ایک عظیم انسان، بے لوث خادم، ہمدرد وغمگسار اور مضبوط سرپرست سے محروم ہو گئی، یعنی ہم سب کے مخلص و مربی الحاج عبدالرزاق کالسیکر اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔اور آج صبح 10 بجے دبئی میں وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حاجی عبدالرزاق صاحب کا سانحہ ارتحال امت کے لئے عظیم خسارہ ہے، کیوں کہ حاجی صاحب کی ذات گرامی مجموعہ خیر تھی،وہ دنیا بھر بالخصوص ہندوستان اور مہاراشٹر کے سیکڑوں دینی و فلاحی اداروں سے جب تک زندگی نے وفا کی وابستہ رہے،دینی،دعوتی،ملی اور انسانی خدمت کیلئے انہوں نے اپنی زندگی وقف کررکھی تھی،ان کے اندر ملت کی فلاح و بہبود کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔اس کا جیتا جاگتا نمونہ ہے کہ زندگی کی آخری سانس تک آپ نے خدمت خلق اور خدمت دین کے لئے جدوجہد جاری رکھی۔یہی وجہ ہے کہ ان کی خدمات کا دائرہ پورے عالم میں پھیلا ہوا ہے،وہ بلا تفریق مذہب و ملت خیر کے کام کو انجام دیتے تھے۔دبئی جیسے چمک دمک والے شہر میں اپنی تجارت کو فروغ دینے کے ساتھ ہمیشہ دین و مذہب سے اپنا رشتہ استوار رکھا۔

آپ نے خلق خدا کی خدمت میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کی ،آپ اخلاق کریمانہ کے پیکر تھے، ہر ایک سے بڑی اپنائیت اور خاکساری کے ساتھ ملتے۔ایسا لگتا کہ بہت پرانی شناسائی ہے۔کیا چھوٹے کیا بڑے، ہر ایک سے یکساں سلوک رہتا۔ بلا تکلف ہر ایک اپنا مدعا بیان کرتا۔کئی مرتبہ مختلف مسائل پر تبادلہ خیال کا موقع ملا،اور ہر بار میں نے محسوس کیا کہ آپ صحیح بات کو بلا جھجھک بہت جلد قبول کرلیتے۔آپ کے اندر وسیع القلبی اور وسیع النظری پائی جاتی تھی۔علما نواز تھے،چنانچہ علما اور اہل علم کی دل سے قدر کرتے تھے اور ہر ممکن اعانت بھی فرماتے تھے۔اللہ پاک حاجی صاحب کے خیر کو تا قیامت باقی رکھے۔فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

آپ کی سب سے بڑی خوبی آپ کا دردمند دل تھا،زمینی سطح سے ثریا تک پہنچنے میں آپ نے گردش زمانہ کے جتنے تھپیڑے جھیلے تھے اس نے آپ کو بہت حساس،غمخوار اور حقیقت پسند بنادیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے خدمت خلق کو اپنا مشن بنالیا تھا۔آپ کا کوئی عمل اس سے خالی نظر نہیں آتا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ حاجی صاحب کے دینی مشن کو زندہ رکھا جائے اور یہ ذمہ داری آپ حضرات پر عائد ہوتی ہے کہ حاجی صاحب کے کاز کو آگے بڑھائیں۔اللہ آپ کا حامی و مددگار رہے۔

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ میں حاجی صاحب کے ایصال وثواب کے لئے 'دعائیہ مجلس کا اہتما کیا گیا جس میں اساتذہ اور طلبہ نے شرکت کرکے مغفرت اور بلند یہ درجات کے لئے دعائیں کی گئیں۔جامعۃ القاسم پر حاجی صاحب ہمیشہ کرم واحسان کا معاملہ فرماتے تھے، یہ سب ایسی نیکیاں ہیں جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہمارے دلوں م،ان کا خیر تا قیامت باقی رہے گا۔اللہ تبارک وتعالی آپ سبھی بھائی اور بہنوں کے ساتھ دیگر پسماندگان اللہ ان سب کو صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔آمین ثم آمین

'علم کے بغیر انسان کی زندگی بے معنی'

سپول (پریس ریلیز) علم روشنی ہے،علم ایسا قیمتی سرمایہ ہے جو انسان اور حیوان میں تمیز کرنا سکھاتا ہے۔آج معاشرے کو ایسے علما اور مفکرین کی سخت ضرورت ہے جن کے علم میں پختگی کے ساتھ فکر میں وسعت ہو۔ان خیالات کا اظہار بین الاقوامی شہرت یافتہ عالم دین ممتاز ملی رہنما مفتی عثمانی (بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول) نے امریکہ سے تشریف لائے مہمان مولانا صدیق ادریس تالیا استاد مدینہ مسجد پنامہ سینٹرل امریکا،مولانا ذاکر سکریٹری،انجمن دردمندان تعلیم وترقی حلقہ کوسا ممبرا ممبئی اور مفتی

محمد فرقان رکن انجمن دردمندان تعلیم وترقی کی جامعہ تشریف آوری پر استقبالیہ پروگرام میں کیا۔اس موقع پر مفتی عثمانی نے بطور خاص طلبہ کو اس جانب توجہ دلائی کہ طلبہ مدارس اسلامیہ دینی دعوت اور اسلامی تعلیمات کی ترویج واشاعت کو اپنی زندگی کا مشن بنائیں،انہوں نے کہا کہ عوام الناس سے رابطہ ضروری ہے کیونکہ آپؐ اگر صفہ میں درس دیتے نظر آتے ہیں تو طائف میں جا کر پتھر بھی کھاتے ہیں۔اس لیے نیک جذبہ کے ساتھ دین کی خدمت کرنا چاہئے۔ایسا شخص کبھی ناکام نہیں ہوتا جو نیک جذبے کے تحت کسی کام کا آغاز کرتا ہے۔انہوں نے کہا کہ یہ دین کے تئیں نیک جذبوں کا ہی اثر ہے کہ آج گاؤں گاؤں،قریہ قریہ علم کی شمع روشن ہے۔اس کے برعکس اگر آپ دنیاوی لوگوں سے کریں تو انہیں مال دولت ہونے کے باوجود یہ کامیابی اور مرتبہ نہیں ملتا۔مفتی عثمانی نے جامعہ اور علاقہ کے مدارس و مکاتب کے اساتذہ کو متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ آدمی کو سب سے پیاری اس کی اولاد ہے اور قوم نے اسی کو ہمارے سپرد کیا ہے۔اس لیے ان کی صحیح تربیت کی کوشش کریں۔اگر ہم نے اپنے کام میں کوتاہی برتی تو اللہ پاک کے یہاں جواب دہ ہوں گے۔یہ بچے ہماری قوم کے مستقبل ہیں لہٰذا ان کو بنانے سنوارنے میں تساہلی سے کام نہ لیں۔ان طلبہ کی بڑی فضیلتیں ہیں ان کے لئے سمندر کی مچھلیاں بھی دعا کرتی ہیں۔

مولانا صدیق ادریس تالیا،مولانا مولانا ذاکر اور مفتی محمد فرقان نے جامعہ کے تعلیمی،رفاہی اور تعمیری سرگرمیوں کو دیکھ کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔اس موقع پر مولانا رضوان الحق قاسمی،مولانا حمید الدین مظاہری،قاری شمشیر جامعی،مولانا امام الدین ندوی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا جبکہ مولانا مفتی انصار قاسمی نے پروگرام کی نظامت کی۔

'ہمارا طرز عمل پورے سال رمضان جیسا ہو'

لندن(پریس ریلیز):بہت ہی خوش قسمت ہیں ہم اور آپ کے ہمیں رمضان المبارک جیسا مقدس مہینہ رب کریم نے نصیب فرمایا۔ہمارے بہت سے دینی بھائی جو سال گزشتہ رمضان میں تھے اور اپنے دامن کو اس ماہ مقدس کے فیوض و برکات سے بھر لیا تھا،مگر امسال وہ موجود نہیں ہیں،اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ہیں۔اسی طرح یہ بات کوئی نہیں جانتا کہ آئندہ سال یہ متبرک مہینہ کسے نصیب ہوگا اور کسے نہیں،اس لئے ان ایام کو غنیمت جان کر اپنے شب و روز کو عبادت الٰہی،ذکرواذکار اور تلاوت کلام اللہ میں گزارنا چاہئے۔ان خیالات کا اظہار ممتاز عالم دین مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے اسلامک سینٹر معاذ ابن جبل لیسٹر انگلینڈ میں کیا۔

امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفئر ٹرسٹ انڈیا نئی دہلی سے جاری پریس ریلیز کے مطابق لندن میں رمضان المبارک اور اس کے تقاضے،روزے کی فضیلت اور لیلۃ الجائزہ جیسے اہم موضوعات پر مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے بالترتیب لیٹن اسٹون سینٹرل لندن اور مسجد عثمان ایش ویل روڈ گریٹر لندن میں خطاب فرمایا۔انہوں نے کہا کہ یہ امت محمدیہ کا امتیاز ہے کہ اسے ماہ صیام میں ایک رات ایسی نصیب ہوئی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔اس رات میں رب کائنات نے قرآن جیسی عظیم نعمت نازل فرمائی۔انہوں نے کہا کہ ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں عبادت کا خوب اہتمام فرماتے تھے۔

لیلۃ الجائزہ(یعنی انعام کی رات)پر روشنی ڈالتے ہوئے مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے کہا کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب عید الفطر کی شب ہوتی ہے تو اس کا نام(آسمانوں پر)لیلۃ الجائزہ(انعام کی رات)لیا جاتا ہے اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیجتے ہیں۔یہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں،راستوں کے سروں پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور ایسی آواز سے جس کو جنات اور انسان کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے پکارتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس رب کریم کی(درگاہ)کی طرف چلو جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف فرمانے

والا ہے۔ پھر جب لوگ عیدگاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہٗ فرشتوں سے دریافت فرماتے ہیں: کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا کام پورا کر چکا ہو، وہ عرض کرتے ہیں ہمارے معبود اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے، تو اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں میں نے ان کو رمضان کے روزوں اور تراویح کے بدلہ میں اپنی رضا اور مغفرت عطا کردی۔

مفتی عثمانی نے کہا کہ بہت افسوس کی بات ہے کہ رمضان کے بعد بہت سے لوگ اپنی سابقہ حالت پر لوٹ آتے ہیں، جبکہ ہمارا طرز عمل رمضان کے بعد بھی وہی ہونا چاہیے جو رمضان میں تھا، جس طرح ہم نے پانچوں نمازوں کا اہتمام کیا ہم یہ عہد کریں کہ، اب انشاء اللہ رمضان کے بعد بھی اس کا پورا اہتمام کریں گے۔ جس طرح رمضان المبارک میں آپ نے گناہوں سے اجتناب کیا یا کوشش کریں کہ رمضان کے بعد بھی وہی اہتمام باقی رکھیں۔ رمضان المبارک میں ہم نے تلاوت قرآن کا اہتمام کیا ہے اور کئی ایک قرآن ختم کیا ہے، تو رمضان کے بعد بھی اہتمام کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرتے رہیں۔ جس طرح رمضان میں زکوٰۃ وصدقات ادا کرنے کا اہتمام کیا، رمضان کے بعد بھی اس کا پورا اہتمام کریں۔ مدارس اور مساجد جو دین کے قلعے اس کے تحفظ اور بقا کے لئے ہر ممکن تعاون وکوشش کریں کہ یہی سب امور ہمارے نجات کا باعث ہیں۔

رمضان قرب الٰہی کیلئے سازگار موسم بہار

سپول: رمضان کا آخری عشرہ بھی ہم سے رخصت ہوا چاہتا ہے، جس نے رمضان المبارک کے باغ وبہار سے اپنی زندگی کو منور کرلیا، وہ خوش نصیب اور عظیم انسان ہے اور جو اس ماہ مقدس کے فیوض وبرکات سے محروم رہ گیا اس سے بڑا بدنصیب کوئی نہیں ہوسکتا۔ رمضان انسان کے لئے خود سازی اور نفس کی تعمیر نو کا مہینہ اور پروردگار سے مانوس اور قریب ہونے کے لئے سازگار موسم بہار ہے۔ ان خیالات کا اظہار مفکر ملت بانی جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول نے کیا۔ جامعۃ القاسم سے جاری پریس بیان میں مفتی عثمانی نے اسلامک سینٹر اسکارٹ لینڈ لندن میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایک طرف اس مہینے کے روزے، دوسری طرف اس بابرکت مہینے میں تلاوت کلام پاک اور اس کے علاوہ اس مہینے کی مخصوص دعائیں انسان کے نفس کو پاکیزہ اور اس کے باطن کو طاہر بنا دیتی ہیں۔ مفتی عثمانی نے کہا کہ عیدالفطر کی آمد آمد ہے اس لئے اپنے اردگرد بھی نظر رکھیں اور غریبوں کے دکھ درد میں شریک ہو کر ان کی خوشیوں کو بھی چار چاند لگائیں، اگر آپ کے چھوٹے سے عمل سے اللہ تعالیٰ خوش ہوگیا تو پھر دونوں جہانوں کی خوشیاں آپ کے مقدر میں ہوں گی۔ انہوں نے کہا کہ رمضان کا آخری عشرہ مہینے کا خلاصہ ہے اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے اس میں پوری امت کی مغفرت کی دعا مانگیں۔ اس موقع پر مولانا حبیب الرحمٰن رؤف امام وخطیب، صوفی انور بھائی اور مولانا غلام علی بھی موجود تھے۔ اس سے قبل مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے لنکا شائر کی مسجد صالحین میں بھی رمضان کریم اپنا احتساب، توبہ اور استغفار کا مہینہ کے موضوع پر بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ بعض افراد اس مہینے میں جنت کی سیر کرتے ہیں اور بعض خوش نصیب تو اس ایک مہینے کی برکت سے پورے سال جنت میں گھومنے پھرنے کا بندوبست کر لیتے ہیں جبکہ بعض، اس کی برکتوں سے پوری عمر جنت کا لطف اٹھاتے ہوئے گزارتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض افراد ایسے بھی ہیں جو آنکھیں بند کئے اور کانوں میں تیل ڈالے اس مہینے کے نزدیک سے گزر جاتے ہیں اور اس کی برکتوں کو ایک نظر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتے، یہ بڑے افسوس کا مقام اور ان کے لئے بہت بڑا خسارہ ہے۔ اس موقع پر بھائی فاروق حسن، مولانا حفیظ الدین امام وخطیب، مولانا امتیاز، اقبال بھائی ٹیلر، الطاف ماسٹر اور حاجی عبدالمجید بھی موجود تھے۔

جامعۃ القاسم دارالعلوم اسلامیہ کی جانب سے دوبارہ افطار کٹ کی تقسیم

سپول (پریس ریلیز) رمضان المبارک کی یہ خصوصیت بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اس مہینے میں امیر، غریب سب کی ضرورتیں فضل خداوندی سے پوری ہو جاتی ہیں، روزہ دار اور اہل ایمان اپنے دوسرے روزہ دار بھائیوں کا بخوبی خیال رکھتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے مال اور عبادت میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ برکت عطا فرماتے ہیں- جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول میں گزشتہ دنوں دوسری مرتبہ بڑی تعداد میں علاقے کے غریب و نادار اور بے سہارا لوگوں میں 'افطار کٹ' تقسیم کی گئی۔

خیال رہے کہ اس سے قبل ۲۳ جون بھی کو رمضان المبارک کے آغاز پر بھی تقریباً ڈھائی ہزار افراد میں افطار کے سامان تقسیم کیے گئے تھے۔ مگر بہت سے ایسے افراد رہ گئے تھے جن کی مدد انتہائی ضروری تھی۔ اس لئے بانی جامعہ مفکر ملت مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کے حکم سے دوبارہ افطار کٹ کی تقسیم کی گئی جس میں حسب سابق چاول 10 کلو، گیہوں 10 کلو، سرسو تیل 5 لیٹر، چینی 3 کلو، کھجور 1 کلو، بیسن 3 کلو، دال 3 کلو، سوجی 1 کلو، چائے پتی 1 کلو، شربت 1 بوتل، مرچ پاؤڈر 500 گرام، ہلدی پاؤڈر 500 گرام، دھنیا پاؤڈر 500 گرام، چوڑا 5 کلو اور چنا 3 کلو شامل تھا۔

مستحقین کو رمضان کریم کی دلی مبارکباد دیتے ہوئے جامعۃ القاسم کے پیغام میں کہا گیا ہے کہ آپ حضرات رمضان المبارک کی قدر کریں اور اس کے حقوق کو پوری ایمانداری اور جذبہ ایمانی کے ساتھ نبھائیں، اور عیدالفطر کے دن اپنے رب سے رو رو کر مانگیں۔ اللہ پاک کسی کو محروم نہیں کرے گا، سب کی مرادیں پوری ہوں گی۔ یہ خالق کائنات وعدہ ہے روزہ داروں کے لئے کہ وہ اپنے روزہ دار بندوں کو انعام خود دیتا ہے، اس لئے خدائے پاک کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ اس موقع پر جناب مظفر رحمانی، جناب مظہر رحمانی، جناب محمود الحسن، حافظ ظفر اقبال مدنی، مولانا حامد عبداللہ ندوی، مفتی عقیل انور مظاہری اور مولانا یوسف انور اور جامعۃ القاسم کے دیگر موقر اساتذہ و ذمہ داران بھی موجود تھے۔

'ہندوستان میں انصاف پسند لوگ زندہ ہیں'

نئی دہلی: ابھی ہندوستان میں انصاف پسند لوگوں کی کثیر تعداد موجود ہے، یہ لوگ ہر ناانصافی کے خلاف اپنی آواز بلند کرنے کیلئے سڑکوں پر اتر آتے ہیں، جب تک یہ انصاف پسند لوگ رہیں گے ہندوستان کے سیکولرازم کی بنیاد کو کوئی طاقت کمزور نہیں کر سکتی۔ نئی دہلی آفس سے جاری ایک پریس بیان میں جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار کے بانی و مہتمم ،ممتاز عالم دین وملی رہنما مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے ممبئی سلسلے وار بم دھماکوں کے مجرم یعقوب میمن کی پھانسی کے اقدام کو حکومت مہاراشٹر کے ذریعہ جلد بازی میں اٹھایا گیا قدم بتاتے ہوئے کہا کہ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ کسی بھی قصور وار کو اپنی بات کہنے کا مکمل موقع فراہم کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ جب یعقوب کہہ رہے ہیں کہ ان کی پھانسی کیلئے غیر قانونی طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے تو اس کی عرضی پر صدر جمہوریہ اور عدلیہ کو غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مفتی عثمانی نے کہا کہ ممبران پارلیمنٹ ،ججز اور سیاسی رہنما سمیت ہندوستان کی سیکڑوں معزز شخصیات کے ذریعہ پھانسی کے خلاف صدر سے اپیل اس بات کی دلیل ہے کہ یعقوب میمن کے معاملے میں حکومت جلد بازی کی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس ملک میں ہندو اور مسلمان کے لئے الگ الگ پالیسی نہیں چل سکتی۔ ریاستی اور مرکزی حکومتوں کو ہندوستان کی اقلیتوں کے دل و دماغ میں پنپ رہے شکوک وشبہات کا ازالہ کرنے کی سمت میں موثر قدم اٹھانے چاہئیں۔ سبھی اقلیتیں اس بات کو محسوس کر رہی ہیں کہ ان کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جا رہا ہے۔ اور لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو رہی یہ سوچ ملک کے مفاد میں ہرگز نہیں ہے۔ آخر میں مفتی عثمانی نے ہندوستان کے سابق صدر اے پی جے عبدالکلام کے سانحہ ارتحال کو ایک عظیم سانحہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ کلام جیسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ملک کے لئے ڈاکٹر عبدالکلام کی خدمات ناقابل فراموش ہیں ،یہی وجہ ہے کہ ان کے انتقال پر پورا ہندوستان بلا تفریق مذہب وملت سوگوار ہے۔، وہ واقعی

ہندوستان کے 'رتن' تھے اور آخری سانس تک ملک کی ترقی اور خوشحالی کیلئے جدو جہد کرتے رہے، ڈاکٹر کلام نے عظیم عہدوں پر رہتے ہوئے جس سادگی سے اپنی زندگی بسر کی وہ یقیناً مشعل راہ ہے۔ اللہ پاک انکی مغفرت فرمائے آمین۔

اسلام کا پیغام فرزندان توحید کے نام

اسلام صرف مخصوص عقائد اور عبادات کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مکمل نظام حیات ہے، جس میں معاشرتی قانون، معاشی احکام اور اخلاقی ہدایات بھی شامل ہیں۔ اسی طرح اسلام سیاسی مسائل کے سلسلے میں بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ خاص طور پر ان ملکوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور ملک کا نظام جمہوری ہے ان پر پوری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شریعت کے اصول کا خیال کرتے ہوئے ووٹ دیں نیک، صالح، وفادار اور ملک وملت کا خیر خواہ امیدوار منتخب کر کے اسمبلی اور پارلیمنٹ میں بھیجیں۔ شریعت میں ووٹ کی حیثیت شہادت کی ہے، شہادت و گواہی عینی مشاہدہ کی بنا پر کسی شئی کے برحق اور صحیح ہونے کی خبر دینا ہے۔

اس اصول کے پیش نظر الیکشن میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا اس بات کی گواہی اور شہادت دینا ہے کہ فلاں شخص اس منصب کا اہل ہے۔ امانت دار ہے، دیانت دار ہے، اپنی ذمہ داریوں کو وہ اچھی طرح ادا کرسکتا ہے۔ خدمت خلق کا جذبہ رکھتا ہے، ملک وملت کا خیر خواہ ہے، جو امیدوار ان اوصاف کا حامل ہو اسے ووٹ دینا سچی گواہی اور شہادت ہے۔ اور اگر آپ جس امیدوار کو ووٹ دے رہے ہیں وہ نا اہل، خائن، بدمعاش، چور ڈکیت، جرائم پیشہ، ملک وملت کا غدار، لچالفنگا، خود غرض اور داغدار ہے تو یہ جھوٹی گواہی دینا ہے۔ جس پر شریعت میں بے پناہ وعید آئی ہے۔

جھوٹی گواہی دینا شریعت میں جرم عظیم اور گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن کریم میں شرک اور جھوٹی شہادت کا تذکرہ ایک ساتھ کیا گیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات شرک پسند نہیں ہے اسطرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹی گواہی بھی ناپسندیدہ اور گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن کریم کے ۱۷ویں پارہ میں فرمایا گیا ہے:

"فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ"

ترجمہ: (بتوں کی گندگی سے بچتے رہو اور جھوٹی گواہی سے بچتے رہو۔)
(سورہ حج، آیت: ۳۰)

دوسری طرف سچی شہادت پر بے پناہ خوشخبریاں سنائی گئی ہیں اور اسے قومی وملی فریضہ بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ"

ترجمہ: (اے ایمان والو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے اور عدل کے ساتھ شہادت دینے والے بنو۔) (سورہ مائدہ: ۸)

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات میں سچی شہادت پر جنت کا وعدہ فرمایا گیا ہے اور جھوٹی گواہی کو سنگین جرم اور گناہ کبیرہ بتلایا گیا ہے۔

ملت کے دوستو، غیور مسلمان بھائی اور بہنیں آپ ووٹ دیتے وقت ان باتوں کا ضرور خیال رکھیں کہ جب نا اہل، خائن، بدمعاش اور داغدار امیدوار کو ووٹ دینا جھوٹی گواہی دینے کے مترادف ہے جس کے لئے شریعت میں سخت وعید آئی ہے۔ تو ایک مسلمان کا فریضہ ہے کہ وہ شریعت کی پاسداری کرتے ہوئے نیک، صالح، قوم وملت کی خدمت کے جذبہ سے سرشار اور ملت کا درد رکھنے والے امیدوار کو ووٹ دیں۔ اگر آپ ووٹ دیتے وقت ان چیزوں کا خیال نہیں رکھ پاتے ہیں اور نا اہل امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں تو جان لیجئے آپ گناہ کبیرہ کے مستحق ہوں گے اور شریعت میں ایسے لوگوں کے لئے سخت سے سخت وعید آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو صحیح سمجھ بوجھ، نیک، صالح اور اہل امیدوار کو ووٹ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین) (۳۰/اکتوبر ۲۰۱۵)

(یہ پیغام بہار اسمبلی انتخابات 2015 کے موقع پر ووٹروں میں بیداری پیدا کرنے کیلئے تقسیم کیا گیا تھا)

❀ ❀ ❀

اگر آپ چاہتے ہیں کہ:

• ہمارے گھروں میں دین کی باتیں ہوں! • مجالس اور لوگوں کی زبان پر ہمیشہ اصلاحی باتوں کا تذکرہ ہو! عوام وخواص میں ہمیشہ اصلاح کی فکر لاحق ہو! • پیغمبر اسلام ﷺ کے اسوۂ حسنہ، تعلیمات نبوی اور اسلاف کی پاکیزہ روایات سے معاشرہ کو روشناس اور اس کے تئیں بیداری پیدا کی جائے۔

تو آئیے! ان مقاصد حسنہ کی تکمیل کے لیے ''ماہنامہ معارف قاسم جدید'' کی علمی وفکری بیداری مہم میں شامل ہو جائیے۔

ممبر بن کر اور بنا کر

اس عظیم مہم کو کامیاب بنانے میں معاون بنیں

یقیناً آپ کا تعاون ''معارف قاسم جدید'' کی ترقی کا ضامن بن سکتا ہے۔

ہندوستان میں سالانہ زر تعاون صرف 300 / روپے اور بیرو ممالک میں 150 / ڈالر

اس کے علاوہ آپ مندرجہ ذیل طریقہ سے بھی تعاون کر سکتے ہیں

- اہل خیر حضرات کو اشتہار کی طرف توجہ دلائیں۔
- اپنی جانب سے علاقے کے بااثر حضرات، دینی اداروں، ملی تنظیموں اور لائبریریوں کے نام رسالہ جاری کرائیں۔
- معارف قاسم جدید میں کاروباری اشتہارات دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں۔
- ممبر سازی کے لیے جو نمائندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں ان کا بھرپور تعاون کریں۔
- پانچ آدمیوں کو ممبر بنا کر اپنا ایک سال کے لیے رسالہ مفت جاری کرائیں۔

یقین ہے کہ ہمارے قارئین کا پرخلوص تعاون ہمیں برابر حاصل رہے گا۔ انشاء اللہ۔

خط وکتابت: ماہنامہ ''معارف قاسم جدید دہلی'' این 93 / سیلنگ کلب روڈ، لین نمبر ۲ بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر نئی دہلی۔ 110025

ممبرشپ فارم

جس مدت کے لیے ممبرشپ چاہیے اس کے سامنے صحیح نشان لگائیں

☐ سالانہ فیس .... (300/-)

☐ دوسال کے لیے .... (600/-)

☐ تین سال کے لیے.. (900/-)

☐ تاحیات .... (10,000/-)

نام: .... ولدیت: ....

مکمل پتہ:..

ملک: .... پن کوڈ: .... ٹیلیفون نمبر:....................

عمر: .... پیشہ:......................................

معارف قاسم جدید کی ممبرشپ کے لیے ہے۔

منی آرڈر رچیک رڈرافٹ نمبر:.............................. تاریخ:..............................

بذریعہ:.............................. روپئے:.............................. بھیج رہاہوں ررہی ہوں۔

نوٹ: یہ شرح صرف ہندوستان کے لیے ہے۔

چیک رڈرافٹ ''ماہنامہ معارف قاسم جدید'' دہلی کے نام سے بنوائیں۔

برائے مہربانی اس فارم کوبھر کرڈاک سے معارف قاسم جدید این 93 دوسری منزل، لائن ۲، سیلنگ کلب روڈ، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی-۲۵ کے پتہ پر ارسال کریں۔

نرخ اشتہار

آخری ٹائٹل صفحہ	(رنگین)	4,000/-
اندرونی ٹائٹل صفحہ	(رنگین)	3,000/-
مکمل صفحہ	(اندرونی، بلیک)	1,500/-
آدھا صفحہ	//	1000/-
چوتھائی صفحہ	//	500/-

مطبوعات جامعہ

نام کتاب	مصنف	مرتب
مقامات مقدسہ	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
زکوٰۃ اور اس کا مصرف (اردو/انگریزی)	امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
خطبہ حجۃ الوداع (اردو/انگریزی)		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قاضی مجاہد الاسلام حیات وخدمات نمبر	مدیر اعلیٰ	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
سیرت النبی نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
مسلم پرسنل لا نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
پیام انسانیت نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
رمضان کریم نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قرآن کریم نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
مسلم مسائل نمبر		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
مجاہد کی للکار	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
قرآن کریم کا اعجاز اور اس کی حقیقت (اردو/انگریزی)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
ہندوستان میں مدارس اسلامیہ (اردو/انگریزی)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
اسلام اور امن وآشتی، اردو/انگریزی (زیر طبع)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
قادیانیت کی حقیقت (اردو/انگریزی/ہندی)	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	
اسلام اور قادیانیت عقائد کی روشنی میں		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
مجموعۂ رسائل حضرت علامہ نور محمد خان ٹانڈویؒ		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
ہندی زبان میں کتب سیرت کا ادبی جائزہ (زیر طبع)		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
راہ عمل (زیر طبع)		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
ذکرا قائما (20ویں صدی کے علماء گجرات کی علمی، دینی خدمات)		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
دینی مدارس ماضی، حال اور مستقبل تقاضے، چیلنجز اور ان کا حل		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
قادیانیوں کو غور وفکر کی دعوت		مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
متاع زندگی مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی جہد مسلسل، تحریکات، خدمات		ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب القاسمی
محمد رسول اللہ کے بعد کوئی نبی نہیں	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	
قادیانیت منظر اور پس منظر	حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	
چند نامور علماء	حضرت مولانا بدر الحسن قاسمی	عبدالقادر شمس قاسمی
قادیانی گروہ زندیقوں کی طرح تحریک ارتداد چلا رہا ہے		مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری
قادیانیوں کی چال سے ہوشیار رہیں!		مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری
قادیانیت انگریزوں کا خود کاشتہ پودا (اردو، ہندی)		مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری
عام مسلمانوں کو قادیانیت کی حقیقت سمجھانے کا طریقہ (ہندی)		مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری
ایمان اور کفر کی حقیقت (ہندی)		مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری
قادیانیت کے متعلق علمائے اسلام اور سرکاری عدالتوں کا فیصلہ		مولانا شاہ عالم گورکھپوری
قادیانی تحریروں کی روشنی میں قادیانیوں کی سیاسی وسماجی پوزیشن		مولانا شاہ عالم گورکھپوری
دین اسلام سے قادیانیوں کا کوئی تعلق نہیں (ہندی)		مولانا شاہ عالم گورکھپوری
تحریک تحفظ ختم نبوت اور جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ		ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب القاسمی
خیموں کا شہر مظفر نگر		ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب القاسمی
کوسی کا تباہ کن سیلاب اور جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ		(رپورٹ) شاہ جہاں شاد
شجرۂ طیبہ		مولانا محمد شاہد قاسمی
منہاج الصالحین یعنی تحفۂ متسابقین		مولانا مجتبیٰ بن احمد لولات رویدروی
المذاکرۃ التفسیریۃ یعنی تحفۂ مسابقات		مفتی عبدالرحیم فلاحی

اس کے علاوہ مختلف موضوعات پر رسائل ومجلات طباعت کے مرحلے سے گذر کر جلد ہی منظر عام پر آنے والے ہیں۔

جمعية الإمام قاسم التعليميه الخيريـه الاســلاميـه الهنـد

امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا ایک دینی،اصلاحی،اور فلاحی ادارہ ہے، جوشمالی بہار میں متحرک اور فعال ہے۔ ہندوستان کی ریاست بہار کے شمال مشرقی علاقہ کوسی اور پورنیہ دومشہور کمشنریاں ہیں جوسات اضلاع پرمشتمل ہیں،یہ علاقہ مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے کافی مشہور ہے۔جغرافیائی اعتبار سے ایک طرف نیپال کی لمبی سرحد ہے تو دوسری طرف شمال مشرقی ہند کی ریاستوں اور بنگلہ دیش کی سرحد ملی ہوئی ہے اس علاقہ میں تقریباً ۵۰/ لاکھ مسلمان آباد ہیں جو تعلیمی،معاشی اور سیاسی طور پر انتہائی پسماندگی کے شکار ہیں،مسلمانوں کی معاشی حالت اس قدر ناگفتہ بہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت تو دور ان کی صحیح طریقہ سے کفالت کی بھی سکت نہیں رکھتے اور قبائلی زندگی گزار رہے ہیں۔ان حالات کاادراک کرتے ہوئے جمعیۃ کے ماتحت مکاتب ومدارس کا قیام،دینی واصلاحی پروگرام،مسلمانوں کی شعوری وفکری تربیت اور مسلمانوں کی معاشی حالت کوبہتر بنانے کے لیےان کی مدد کی جاتی ہے۔

الحمدللہ اس وقت 85 مکاتب کام کررہے ہیں،ضلع سپول میں بچیوں کی دینی تعلیم کے لیے ’’معہد عائشہ صدیقہ‘‘،’’شیخ زکریا چیری ٹیبل ہاسپٹل‘‘،’’مولانا آزاد اسکول اینڈ ٹیکنیکل سینٹر‘‘اور دینی ماحول میں انگلش میڈیم اسکول کا قیام زیرِ منصوبہ ہے۔ان منصوبوں کی تکمیل کی لاگت کا تخمینہ تقریباً ساڑھے پانچ کروڑ روپے ہے۔اس کے علاوہ امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا اس علاقے کے معاشی طور پر کمزور،معذور افراد کی مدد اور یتیم بچیوں کی شادی،حادثات وآفات سے متاثرین کیلئے راحت و ریلیف کا نظم بھی کرتا ہے۔

مدارس کے غریب اور نادار فضلاء کے لیے جو کالجز اور یونیورسٹی میں داخلے کے خواہش مند ہیں،حتیٰ المقدور وظائف کا نظم کرتا ہے۔ان سب منصوبہ جات پرعمل درآمد کے لیے کثیر سرمایہ کی ضرورت ہے،جوآپ حضرات کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں، خاص کر ۱۱/ستمبر کے بعد مسلمانان ہند جس طرح کے حالات سے دوچار ہوئے ہیں اس پس منظر میں اہل ثروت اور تعاون کا جذبہ رکھنے والے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ کسی نہ کسی سطح پر دست تعاون دراز کریں،تاکہ آپ کے تعاون سے یہ عظیم کام انجام پاسکے اللہ تعالیٰ آپ کو اجرعظیم عطا کرے اور تمام آفات وبلیات سے محفوظ رکھے۔آمین

الـــداعيـــان

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
سکریٹری جنرل
امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا
بانی ومہتمم،جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول بہار

(مولانا) نسیم احمد مظاہری
صدر
امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا
شیخ الحدیث جامعہ عربیہ نورالاسلام میرٹھ،یوپی

جامع الامام محمد قاسم النانوتویؒ

انتہائی خوشی ومسرت کی بات ہے کہ ''جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ'' کے وسیع وعریض احاطے میں حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے نام سے منسوب ۱۶؍ہزار اسکوائر فٹ پر مشتمل دومنزلہ عظیم الشان جامع مسجد ''جامع الامام محمد قاسم النانوتوی'' کی پہلی منزل کی چھت ۲۲؍ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۳؍فروری ۲۰۱۴ء بروز اتوار پڑ چکی تھی۔ الحمدللہ مسجد کی تکمیل وتزئین کا کام آخری مرحلے میں ہے۔ جب یہ مسجد تیار ہوجائے گی تو اس کی عمارت عہد جدید میں یقیناً فن تعمیر کا عظیم شاہکار شمار کی جائے گی۔ ہمارے لئے فخر کی بات ہے ہندوستان میں سرمایہ ملت کے نگہبان خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی جانشیں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند، بہی خواہ ملت حضرت مولانا قاری عبدالحمید ندوی امام وخطیب مسجد سلام دبئی کے علاوہ ایک درجن سے زائد ممتاز علماء مسجد کی چھت کی ڈھلائی کے موقع پر رونق افروز اور جملہ معاونین کے بےلوث تعاون کی قبولت کے لئے دعا گو تھے۔

مسجد کی تزئین کا کام بشمول پلاسٹر، دروازے، کھڑکی اور فرش، نیز تزئین کاری کا کام جاری ہے۔ لہٰذا تمام اصحاب جودوسخا سے گذارش ہے کہ اس کار خیر میں بھرپور حصہ لیں اور اپنے احباب کو بھی صدقہ جاریہ کے اس نیک کام کی جانب متوجہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت دونوں کی دولت سے مالا مال فرمائے گا اور آپ کی اس مخلصانہ خدمت کو انشاء اللہ صدقہ جاریہ بنائے گا۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے ''إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ'' (سورۃ التوبۃ:۱۸) (اللہ کے گھر کو تو صرف وہ لوگ آباد رکھتے ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں) اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''مَنْ بَنَى لِلّٰهِ مَسْجِداً بَنَى اللّٰهُ لَهُ بَيْتاً فِي الْجَنَّةِ'' (بخاری ومسلم) (جس نے اللہ کے لئے مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ویسا ہی گھر بنائے گا)

قابل ذکر ہے کہ اس جامع مسجد میں بیک وقت تین ہزار بندگان خدا سجدہ ریز ہوسکیں گے۔ مسجد کی تعمیر کا کام تین کروڑ روپے کے تخمینہ سے شروع ہوا تھا بعد کے دنوں کی ہوش ربا گرانی اور مہنگائی کی وجہ سے بجٹ میں کافی اضافہ ہوگیا ہے، جس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ مندرجہ ذیل صورت میں آپ اپنا تعاون پیش کر کے اپنے لئے توشۂ آخرت تیار کر سکتے ہیں۔

تعاون کی شکلیں

- ☐ ایک مصلی مع سنگ مرمر کی تعمیر پر =/10,000 روپے
- ☐ آدھے مصلی کی تعمیر پر =/5,000 روپے
- ☐ ایک بوری سیمنٹ =/400 روپے
- ☐ ایک راج مستری کی یومیہ مزدوری =/500 روپے
- ☐ ایک بیلدار کی یومیہ مزدوری =/250 روپے
- ☐ ایک کارپینٹر کی یومیہ مزدوری =/1,000 روپے
- ☐ ایک دروازہ کی تعمیر پر =/25,000 روپے
- ☐ ایک کھڑکی کی تعمیر پر =/15,000 روپے
- ☐ مسجد کے ایک غسل خانہ کی تعمیر پر =/40,000 روپے
- ☐ مسجد کے وضوخانہ (ایک نشست) کی تعمیر پر =/5,000 روپے
- ☐ مسجد کے ایک بیت الخلاء کی تعمیر پر =/50,000 روپے
- ☐ ایک شخص کے نماز لئے جائے نماز (مصلی) =/1,500 روپے